



رئاسة الشؤون الدينية
بالمسجد الحرام والمسجد النبوي

اردو

أردو

نُبْدَةُ فِي الْعَقِيدَةِ الْإِسْلَامِيَّةِ (شَرْحُ أَصُولِ الْإِيمَانِ)

اسلامی عقیدہ کا مختصر تعارف (شرح اصولِ ایمان)



فضيلة الشيخ علامه
محمد بن صالح العثيمين

٢ جمعفة ءءمة المءءوى الإسلامف باللغات ، ١٤٤٦هـ

العءفمفن ، مءمء

نبة فف العفةة الإسلامفة - أءوء . / مءمء العءفمفن - ط١ . -
الرفباض ، ١٤٤٦هـ

٧١ ص ؛ .سم

رقم الإفبءاع: ١٤٤٦/١٥٣١

رءمءك: ٤-٨٤-٨٤٥٢-٦٠٣-٩٧٨

نُبْدَةُ فِي الْعَقِيدَةِ الْإِسْلَامِيَّةِ (شَرْحُ أُصُولِ الْإِيمَانِ)

اسلامی عقیدہ کا مختصر تعارف (شرح اصول ایمان)

بِقَلَمِ فَضِيلَةَ الشَّيْخِ الْعَلَّامَةِ

مُحَمَّدِ بْنِ صَالِحِ الْعَثَمِيِّ

عَفَرَ اللَّهُ لَهُ وَلِوَالِدَيْهِ وَلِلْمُسْلِمِينَ

تالیف: فضیلۃ الشیخ علامہ

محمد بن صالح العثیمین

اللہ تعالیٰ ان کی، ان کے والدین اور تمام مسلمانوں کی مغفرت فرمائے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مقدمہ

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، ہم اس کی تعریف بیان کرتے ہیں، اسی سے مدد چاہتے ہیں، اسی سے اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں اور اسی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اور ہم اپنے نفسوں کی شرارتوں اور اپنے اعمال کی برائیوں سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں، جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے دے، اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں، اور جسے وہ گمراہ کر دے، اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں، اللہ تعالیٰ درود و سلام نازل فرمائے آپ پر، آپ کے اہل خانہ اور اولاد پر، آپ کے اصحاب پر، اور بھلائی کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والوں پر۔

آما بعد: ”علم توحید“ یقیناً تمام علوم میں انتہائی عالی مرتبت، سب سے جلیل القدر اور حد درجہ مرغوب و مطلوب علم ہے، کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ، اس کے اسماء و صفات اور بندوں پر اس کے حقوق کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور

اس لیے بھی کہ ”علم توحید“ ہی اللہ تعالیٰ تک پہنچنے والے راستہ کی چابی اور اس کی تمام شریعتوں کی بنیاد ہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ متفقہ طور پر تمام رسولوں نے اسی چیز کی دعوت دی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِيَ إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ﴿٢٥﴾﴾

”تجھ سے پہلے بھی جو رسول ہم نے بھیجا اس کی طرف یہی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں، پس تم سب میری ہی عبادت کرو۔“
[سورۃ انبیاء: ۲۵]۔

اللہ تعالیٰ نے خود اپنی وحدانیت کی گواہی دی ہے، اللہ تعالیٰ کے فرشتوں اور اہل علم حضرات نے بھی اس امر کی گواہی دی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٨﴾﴾

”اللہ“ فرشتے اور اہل علم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں اور وہ عدل کے ساتھ دنیا کو قائم رکھنے والا ہے، اس غالب

اور حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔“ [سورہ آل عمران:

-[۱۸]

توحید کے اس بلند و بالا مقام و مرتبے کی وجہ سے ہر مسلمان پر اس کا سیکھنا، دوسروں کو سکھانا، اس میں تدبر کرنا، اور اس کا عقیدہ رکھنا لازم اور ضروری ہے، تاکہ وہ اپنے دین کو اطمینان، تسلیم و رضا اور صحیح بنیاد پر استوار کر سکے اور اس کے ثمرات و نتائج سے بہرہ ور ہو سکے۔

واللہ ولی التوفیق

مؤلف

دین اسلام

دین اسلام وہ دین ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا، اس کے ذریعہ سابقہ ادیان کا خاتمہ کیا، اسے اپنے بندوں کے لیے مکمل ترین دین بنایا، اس کے ذریعے ان پر اپنی نعمت کو مکمل فرمایا اور ان کے لیے اسے بطور دین پسند کیا، لہذا اس کے نزدیک اس کے سوا کوئی اور دین مقبول نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ
وَحَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿٢١٠﴾﴾

"(لوگو) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہیں لیکن آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں کے ختم کرنے والے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا (بخوبی) جاننے والا ہے۔" [سورہ احزاب: ۴۰]۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿...الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي
وَرَضِيْتُ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا...﴾

”... آج میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنا انعام بھر پور

کر دیا اور تمہارے لیے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہو گیا...۔“ [سورہ
مائدہ: ۳]۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ...﴾

”بے شک اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے...“ [سورہ آل عمران: ۱۹]۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ
الْخَاسِرِينَ ﴿۸۵﴾﴾

”جو شخص اسلام کے سوا اور دین تلاش کرے، اس کا دین قبول نہ کیا جائے
گا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہو گا۔“ [سورہ آل عمران: ۸۵]۔

اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں پر اپنے اسی دین کو اختیار کرنا فرض قرار دیا ہے،
چنانچہ رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ
السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ فَأَمِنُوا بِاللَّهِ

وَرَسُولِهِ النَّبِيُّ الْأُمِّيُّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَتِهِ ۚ وَأَتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ
تَهْتَدُونَ ﴿١٥٨﴾

”آپ کہہ دیجیے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں، جس کی بادشاہی تمام آسمانوں اور زمین میں ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے، سو اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول نبی امی پر جو خود بھی اللہ پر اور اس کے احکام پر ایمان رکھتا ہے اور اس کی اتباع کرو تا کہ تم ہدایت پاؤ۔“ [سورہ اعراف: ۱۵۸]۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَا يَسْمَعُ بِي أَحَدٌ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ يَهُودِيٍّ وَلَا نَصْرَانِيٍّ، ثُمَّ يَمُوتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَّا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ»۔ ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے! اس امت کا کوئی بھی شخص چاہے وہ یہودی ہو یا نصرانی، اسے میری بعثت کی اطلاع ہوئی ہو اور وہ اس دین پر ایمان لائے بغیر مر جائے جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے، تو وہ یقیناً اہل جہنم میں سے ہوگا۔“^(۱)

(۱) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب وجوب الایمان برسالة نبينا محمد صلى الله عليه وسلم، إلی جمع الناس ونسخ الملل بملته، حدیث نمبر: ۱۵۳۔

دین اسلام پر ایمان: دین اسلام پر ایمان کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جو کچھ بطور دین نازل ہوا ہے نہ صرف اس کی تصدیق کی جائے بلکہ (دل سے) اسے قبول کیا جائے اور اس کی پیروی کی جائے۔ اسی لیے ابوطالب رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے والوں میں سے نہ ہو سکے، جبکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے دین کی تصدیق کرتے تھے، اور اس بات کی گواہی بھی دیتے تھے کہ یہ دین تمام دینوں سے بہتر ہے۔

دین اسلام ان تمام مصلحتوں کا ضامن ہے جن کی ضمانت سابقہ ادیان میں موجود تھی۔ اس دین کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ہر زمانہ، ہر جگہ اور ہر امت کے لیے مناسب اور قابل عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول (ﷺ) کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے:

{وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيِّمًا عَلَيْهِ...}

”اور ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ یہ کتاب نازل فرمائی ہے جو اپنے سے اگلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور ان کی محافظ ہے...“ [سورہ مائدہ:

۴۸]-

دین اسلام کے ہر دور، ہر جگہ اور ہر امت کے لیے مناسب ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس دین پر قائم رہنا کسی بھی زمانہ، مقام اور قوم کی مصلحتوں کے منافی نہیں ہو سکتا بلکہ یہ تو ان کے عین مطابق ہے۔ اس کا مطلب ہر گز یہ نہیں ہے کہ یہ دین ہر دور، ہر جگہ اور ہر قوم کا تابع اور فرمانبردار ہے، جیسا کہ بعض کج فہم لوگ سمجھتے ہیں۔

دین اسلام ایک سچا اور برحق دین ہے، جو اس کے دامن کو کما حقہ تھام لے، اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی نصرت اور غلبہ کی ضمانت دی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ﴿٩﴾﴾

”وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تاکہ اسے دیگر تمام مذاہب پر غالب کر دے اگرچہ مشرکین ناخوش ہوں۔“ [سورہ صف: ۹]۔

اور ایک مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

لَيْسَتْ خَلْفَتَهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ
 وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ
 أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ
 هُمُ الْفٰلِسِقُونَ ﴿٥٥﴾

”تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال کیے ہیں اللہ
 وعدہ فرما چکا ہے کہ انھیں ضرور ملک کا خلیفہ بنائے گا جیسے کہ ان لوگوں کو
 خلیفہ بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے اور یقیناً ان کے لیے ان کے دین کو مضبوطی
 کے ساتھ محکم کر کے جمادے گا جسے ان کے لیے وہ پسند فرما چکا ہے اور ان کے
 خوف و خطر کو وہ امن و امان سے بدل دے گا، وہ میری عبادت کریں گے
 میرے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرائیں گے۔ اس کے بعد بھی جو لوگ
 ناشکری اور کفر کریں وہ یقیناً فاسق ہیں۔“ [سورہ نور: ۵۵].

دین اسلام عقیدہ اور احکام کے اعتبار سے ایک مکمل دین ہے جو کہ مندرجہ
 ذیل احکامات پر مبنی ہے:

- ۱- اللہ تعالیٰ کی توحید کا حکم دیتا ہے اور شرک سے منع کرتا ہے۔
- ۲- صدق اور راست بازی کا حکم دیتا ہے اور کذب بیانی سے منع کرتا ہے۔

۳- عدل کا حکم دیتا ہے اور ظلم و جور سے منع کرتا ہے۔ عدل کا معنی ایک جیسی چیزوں کے درمیان برابری اور باہم اختلاف رکھنے والی چیزوں کے درمیان فرق کرنا ہے۔ لہذا عدل سے مراد محض برابری نہیں جیسا کہ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ دین اسلام صرف برابری کا مذہب ہے کیونکہ مختلف اشیاء کے درمیان برابری واضح ظلم ہے جس کی اسلام میں قطعاً گنجائش نہیں اور نہ ہی ایسا کرنے والا قابل ستائش ہے۔

۴- امانت کا حکم دیتا ہے، اور خیانت سے روکتا ہے۔

۵- وعدہ پورا کرنے کا حکم دیتا ہے اور دھوکہ دہی اور بد عہدی سے منع کرتا ہے۔

۶- والدین کے ساتھ احسان اور بھلائی کا حکم دیتا ہے اور ان کی نافرمانی سے منع کرتا ہے۔

۷- عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور قطع رحمی سے روکتا ہے۔

۸- پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیتا ہے اور بد خوئی و بد خواہی

سے منع کرتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ”اسلام“ جملہ تمام اخلاقِ حسنہ کا حکم دیتا ہے اور تمام برے اخلاق سے روکتا ہے، ہر اچھے عمل کا حکم دیتا ہے اور تمام برے اعمال سے روکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَايَ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٩٠﴾﴾

”بے شک اللہ تم کو انصاف اور احسان کرنے اور قرابت داروں کو امداد دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی کے کاموں، ناشائستہ حرکتوں اور ظلم و زیادتی سے روکتا ہے، وہ خود تمہیں نصیحتیں کر رہا ہے کہ تم نصیحت حاصل کرو۔“

[سورہ نحل: ۹۰]۔

ارکانِ اسلام

ارکانِ اسلام سے مراد وہ پانچ بنیادیں ہیں جن پر اسلام کی عمارت قائم ہے: ان کا تذکرہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں موجود ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے: اللہ کی توحید پر (اور ایک روایت میں ہے: پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے) اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا اور حج کرنا۔“ ایک شخص نے ”حج“ کو مقدم اور ”رمضان کے روزوں“ کو مؤخر کرتے ہوئے یوں روایت بیان کی: ”الحج، وصیام رمضان، تو عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”یوں نہیں بلکہ: ”صیام رمضان، والحج“ ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی ترتیب کے ساتھ فرماتے ہوئے سنا۔“^(۱)

۱- اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی گواہی دینا: پختہ اعتقاد کے ساتھ گواہی دینا کہ ”اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے اور محمد ﷺ اللہ کے

(۱) صحیح بخاری، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۸، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب: قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی الإسلام علی خمس، حدیث نمبر: ۱۶۔

بندے اور اس کے رسول ہیں“ تو اس کا معنی یہ ہے: اس گواہی کا مکمل اور یقینی اعتقاد رکھنا اور زبان سے اس گواہی کو ادا کرنا یعنی گواہی دینے والے کی گواہی میں اس قدر پختگی اور یقین محکم ہونا چاہیے کہ گویا وہ اس کا مشاہدہ کر رہا ہو۔ اس شہادت میں ایک سے زائد امور کی گواہی شامل ہے، لیکن اسے ایک ہی رکن قرار دیا گیا ہے، اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ، اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں، اس لیے آپ ﷺ کے لیے اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہونے کی گواہی دینا شہادتِ لا الہ الا اللہ کے کمال کا حصہ ہے۔

یا پھر اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ دونوں شہادتیں اعمال کی صحت اور ان کی قبولیت کی بنیاد ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی پیروی کے بغیر کوئی عمل درست و مقبول نہیں ہو سکتا۔

لہذا معلوم ہوا اخلاص سے لا الہ الا اللہ کی شہادت مکمل ہوتی ہے اور رسول اللہ کی پیروی سے محمد کے بندہ و رسول ہونے کی شہادت مکمل ہوتی ہے۔

اس عظیم شہادت کے ثمرات: دل و جان کو مخلوقوں کی غلامی سے اور انبیاء و رسل کے علاوہ کسی اور کی اتباع و فرمانبرداری سے آزادی دلانا۔

۲- اقامتِ نماز: یہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے جو مقررہ اوقات میں، ثابت

قدمی اور خاص کیفیات کے ساتھ ادا کی جاتی ہے۔

نماز کے ثمرات: شرح صدر، آنکھوں کی ٹھنڈک کا حصول، حیا سوز اور بری عادات سے حفاظت۔

۳- زکوٰۃ کی ادائیگی: یہ بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے جو زکوٰۃ کے مستحق اموال میں سے واجب مقدار کی ادائیگی سے پوری ہوتی ہے۔

زکوٰۃ کے ثمرات: بری عادات (مثلاً بخل وغیرہ) سے دلوں کی پاکیزگی اور اسلام اور مسلمانوں کی ضرورتوں کی تکمیل۔

۴- رمضان کے روزے: یہ بھی ایک عبادتِ الہی ہے جو ماہِ رمضان کے دنوں میں کھانے پینے کی چیزوں اور دیگر روزہ توڑنے والی چیزوں سے اپنے آپ کو روک رکھنے سے پوری ہوتی ہے۔

روزے کے ثمرات: اللہ عزوجل کی رضا کی طلب میں اپنے نفس کو محبوب چیزوں کو ترک کرنے کا عادی بنانا، اس کے جملہ فوائد میں سے ہے۔

۵- بیت اللہ کا حج: یہ بھی اللہ تعالیٰ کی ایک عبادت ہے جو حج کے شعائر کی ادائیگی کی غرض سے بیت اللہ الحرام کی زیارت سے پوری ہوتی ہے۔

حج کے ثمرات: اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کے لیے جہاں تک ہو سکے اپنے دل کو مالی اور جسمانی جدوجہد کا عادی بنانا، چنانچہ ”حج“ بھی جہاد فی سبیل اللہ ہی کی ایک قسم ہے۔

یاد رہے کہ اوپر ہم نے جن ”ثمرات“ کا ذکر کیا ہے، ان کا تعلق اسلام کی بنیادی (تعلیمات) سے ہے، اور جو چیزیں ہم ذکر نہیں کر پائے ان میں سے بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو ایک امت کو پاک و صاف، اللہ تعالیٰ کے دینِ حق پر ثابت قدم اور مخلوق کے ساتھ عدل و سچائی کا معاملہ کرنے والی اسلامی امت بنا دیتی ہیں۔ کیونکہ ان کے علاوہ جو بھی شرائع اسلام ہیں ان کی درستی بھی انھی بنیادوں پر منحصر ہے۔ کسی امت کے حالات اس کے دینی امور کی درستی سے ہی ٹھیک ہوتے ہیں۔ چنانچہ جس امت کے دینی معاملات میں جس قدر بگاڑ موجود ہوگا، اسی قدر اس کے احوال میں کمی و بگاڑ پایا جائے گا۔

جو شخص اس بات کی وضاحت چاہتا ہو، اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو پڑھ لے:

﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ ءَامَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٦٦﴾

أَفَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا بَيِّنًا وَهُمْ نَائِمُونَ ﴿٩٧﴾ أَوَأَمِنَ
 أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا ضُحًى وَهُمْ يَلْعَبُونَ ﴿٩٨﴾ أَفَأَمِنُوا مَكْرَ
 اللَّهِ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٩٩﴾

”اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے لیکن انھوں نے جھٹلایا تو ہم نے ان کے اعمال کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا۔ کیا پھر بھی ان بستیوں کے رہنے والے اس بات سے بے فکر ہو گئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب رات کے وقت آپڑے جس وقت وہ سوتے ہوں۔ اور کیا ان بستیوں کے رہنے والے اس بات سے بے فکر ہو گئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے آپڑے جس وقت کہ وہ اپنے کھیلوں میں مشغول ہوں۔ کیا پس وہ اللہ کی اس پکڑ سے بے فکر ہو گئے۔ سو اللہ کی پکڑ سے بجز ان کے جن کی شامت ہی آگئی ہو اور کوئی بے فکر نہیں ہوتا۔“ [سورہ اعراف: ۹۶-۹۹]۔

اگر تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو اس میں عقل و خرد والوں کے لیے عبرت اور جن کے دلوں پر پردے نہیں پڑے ہوئے ہیں، ان کے لیے بصیرت کا بہت سا سامان موجود ہے۔ واللہ المستعان۔

اسلامی عقیدے کی بنیاد

”دین اسلام“ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے ”عقیدہ اور شریعت“ کا نام ہے اور گزشتہ صفحات میں ہم نے دین اسلام کے بعض احکام کی طرف اشارہ کیا اور اس کے بنیادی ارکان کا ذکر کیا۔ اب ہم ”اسلامی عقیدہ“ کا ذکر کریں گے۔

”اسلامی عقیدہ“ اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، آخرت کے دن اور اچھی و بری تقدیر پر ایمان جیسی بنیادوں پر قائم ہے۔

قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ کی سنت میں ان بنیادوں کے دلائل موجود ہیں، چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُولُوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ...﴾

”ساری اچھائی مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنے میں ہی نہیں بلکہ حقیقتاً اچھا وہ شخص ہے جو اللہ پر، قیامت کے دن پر، فرشتوں پر، کتاب اللہ پر اور

نبیوں پر ایمان رکھنے والا ہو...“ [سورہ بقرہ: ۱۷۷]، اور تقدیر کے متعلق ارشاد ہے:

(إِنَّا كُلُّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ﴿۶۱﴾ وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ﴿۶۲﴾)

”بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک (مقررہ) اندازے پر پیدا کیا ہے۔ اور ہمارا حکم صرف ایک دفعہ ہی ہوتا ہے جیسے آنکھ کا جھپکنا۔“ [سورہ قمر: ۴۹-۵۰]۔

احادیث میں موجود ہے کہ نبی ﷺ نے ایمان کے متعلق جبریل علیہ السلام کے سوال کے جواب میں فرمایا: ”ایمان یہ ہے کہ تو اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، آخرت کے دن پر اور اچھی و بری تقدیر پر ایمان لائے۔“^(۱)

اللہ تعالیٰ پر ایمان

اللہ تعالیٰ پر ایمان چار اصولوں پر مشتمل ہے:

پہلا اصول: وجودِ باری تعالیٰ پر ایمان:

(۱) صحیح مسلم، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۸، اور سنن ابوداؤد، کتاب السنۃ، باب فی القدر، حدیث نمبر: ۴۶۹۵۔

اللہ تعالیٰ کے وجود پر عقل، فطرت، حس اور شریعت سبھی چیزیں دلالت کرتی ہیں۔

وجودِ باری تعالیٰ کے فطری دلائل: چونکہ ہر مخلوق کا اپنے خالق پر ایمان کی حالت میں پیدا ہونا ایک ایسا فطری وصف ہے جو غور و فکر اور علم کے بغیر اس کی جبلت میں داخل ہوتا ہے، لہذا وہ اس فطرت کے تقاضے سے ہرگز نہیں پھرتا الا یہ کہ کوئی اس کے دل پر ایسے نقوش بٹھادے جو اسے اس فطرت سے پھیر دیں۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے واضح ہے: ”ہر بچہ فطرت ہی پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔“^(۱)

۲- وجودِ باری تعالیٰ کے عقلی دلائل: تمام مخلوقات سے پہلے خالق اور موجد کا ہونا از حد ضروری ہے کیونکہ کسی چیز کا از خود اتفاقی یا حادثاتی طور پر وجود میں آجانا قطعاً ناممکن ہے۔

کسی نفس کا از خود وجود میں آجانا اس لیے ناممکن ہے کہ کوئی چیز خود کو پیدا

(۱) صحیح بخاری: کتاب الجنائز، باب إذا أسلم الصبي فمات، هل يصلی علیہ، وهل یرض علی الصبی الإسلام، حدیث نمبر: ۱۲۹۲، صحیح مسلم: کتاب القدر، باب معنی کل مولود یولد علی الفطرة، وحکم موت أطفال الکفار وأطفال المسلمین، حدیث نمبر: ۲۶۵۸۔

نہیں کر سکتی کیونکہ وہ اپنے وجود سے پہلے معدوم ہوتی ہے، چنانچہ جو چیز معدوم ہو وہ خالق کس طرح ہو سکتی ہے؟

اسی طرح کسی چیز کا اتفاقیہ یا حادثاتی طور پر وجود میں آنا بھی ناممکن ہے کیونکہ ہر حادث (یعنی نئی چیز) کے لیے کسی محدث (یعنی وجود بخشنے والے) کا ہونا لازمی ہے۔ اس لیے بھی کہ بے مثال نظام، مناسب و ہم آہنگ ترتیب، اسباب و مسببات اور کائنات کی تمام چیزوں کے درمیان مضبوط باہمی تعلق و ارتباط کے ساتھ اس حادث کا وجود قطعی طور پر اس بات کی نفی کرتا ہے کہ اس کا وجود ایک حادثہ یا اتفاق ہے۔ اگر موجودات اپنے وجود کی اصل میں کسی نظام کی پابند نہیں بلکہ محض اتفاق کا نتیجہ ہوتیں تو اب تک ان کی بقا اور ارتقاء کیوں کر باقاعدہ اور منظم ہوتی؟

جب ان مخلوقات کا از خود یا محض اتفاقیہ اور حادثاتی طور پر پیدا ہو جانا ناممکن ہے تو یہ چیز ثابت ہو گئی کہ ان سب چیزوں کا کوئی موجد ضرور ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس عقلی اور قطعی دلیل کا تذکرہ ”سورہ طور“ میں یوں فرمایا

ہے:

﴿أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمْ الْخَالِقُونَ ﴿٣٥﴾﴾

”کیا یہ بغیر کسی (پیدا کرنے والے) کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں؟ یا یہ خود پیدا کرنے والے ہیں؟“ [سورہ طور: ۳۵]۔

یعنی وہ بغیر خالق کے پیدا نہیں ہوئے، اور نہ انھوں نے اپنے آپ کو پیدا کیا ہے، تو ثابت ہوا کہ ضرور ان کا کوئی خالق ہے، اور وہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے جب رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو ”سورۃ الطور“ کی ان آیات کی تلاوت کرتے ہوئے سنا:

﴿أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمْ الْخَالِقُونَ ﴿٣٥﴾ أَمْ خَلَقُوا
السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بَلْ لَا يُوقِنُونَ ﴿٣٦﴾ أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ
هُمْ الْمُقْسِطُونَ ﴿٣٧﴾﴾

”کیا یہ بغیر کسی (پیدا کرنے والے) کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں؟ یا یہ خود پیدا کرنے والے ہیں؟ کیا انھوں نے ہی آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے؟ بلکہ یہ یقین نہ کرنے والے لوگ ہیں۔ یا کیا ان کے پاس تیرے رب کے خزانے ہیں؟ یا (ان خزانوں کے) یہ داروغہ ہیں؟“ [سورہ طور: ۳۵-۳۷]۔

تو اس وقت حالت شرک میں ہونے کے باوجود وہ بے ساختہ بول اُٹھے:

”میرا دل اڑسا گیا، اور یہ پہلی بار تھا جب ایمان نے میرے دل میں گھر کر لیا تھا۔“^(۱)

مزید وضاحت کے لیے ہم یہاں ایک مثال پیش کرتے ہیں: اگر کوئی شخص آپ کو کسی ایسے مضبوط اور بلند وبالا محل کے متعلق بتائے جس میں چاروں طرف باغات ہوں، اور ان کے درمیان نہریں جاری ہوں، تخت پوشوں، نرم و نازک پچھونوں سے پر اور ہر قسم کی تزئین و آرائش سے آراستہ و پیراستہ ہو، اور اس کے متعلق یہ بتائے کہ یہ محل اور جو کچھ اس میں موجود ہے بغیر کسی موجد کے خود بخود وجود میں آگیا ہے تو آپ نہ صرف اس کا انکار کریں گے اور اسے جھٹلا دیں گے بلکہ اس کی بات کو کسی بے عقل کا قول قرار دیں گے۔ کیا اس مثال کے بعد بھی اس بات کا کوئی جو از باقی رہ جاتا ہے کہ یہ وسیع کائنات اور اس میں موجود زمین و آسمان، فلک و ستارے، کائنات کا روشن اور بے مثال نظام بغیر کسی موجد کے از خود یا محض اتفاق یا حادثہ کی بنا پر وجود میں آگئے ہوں؟

(۱) صحیح بخاری، سورۃ الطور، حدیث نمبر: ۴۸۵۴۔

(۳) وجودِ باری تعالیٰ کے شرعی دلائل: بلاشبہ تمام آسمانی کتابیں اللہ تعالیٰ کے وجود پر شاہد ہیں اور مخلوق کی مصلحتوں کے ضمن میں جو احکام ان کتبِ سماویہ میں وارد ہیں، وہ تمام اس بات کی دلیل ہیں کہ بلاشبہ یہ کتابیں ایک نہایت حکیم اور اپنی مخلوق کی مصلحتوں کو خوب جاننے والے رب کی طرف سے ہیں۔ ان آسمانی کتابوں میں وارد جن تکوینی باتوں کی امر واقع نے تصدیق کی ہے وہ بھی اس بات کی دلیل ہیں کہ بلاشبہ یہ تمام چیزیں ایک ایسے رب کی طرف سے ہیں جو ان تمام چیزوں کو وجود بخشنے پر پوری قدرت رکھتا ہے جن کے بارے میں اس نے خبر دی ہے۔

۴- وجودِ باری تعالیٰ کے حسی دلائل، حسی دلائل دو قسم کے ہیں:

(اول) ہم دعا کرنے والوں کی دعاؤں کو پورا ہوتے ہوئے دیکھتے اور سنتے ہیں، اسی طرح انتہائی دکھ اور تکلیف میں مبتلا لوگوں کی فریاد رسی بھی ہم سے پوشیدہ نہیں ہے۔ یہ چیزیں قطعی طور پر اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلالت کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَنُوحًا إِذْ نَادَىٰ مِن قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ...﴾

”نوح کے اس وقت کو یاد کیجیے جبکہ اس نے اس سے پہلے دعا کی، ہم نے اس

کی دعا قبول فرمائی...“ [سورۃ انبیاء: ۷۶]۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

﴿إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ...﴾

”اس وقت کو یاد کرو جب کہ تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری سن لی...“ [سورۃ انفال: ۹]۔

صحیح بخاری میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: ”جمعہ کے دن ایک اعرابی اس وقت (مسجد نبوی میں) داخل ہوئے جب نبی ﷺ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے، انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! (بارش نہ ہونے کی وجہ سے) تمام مال و متاع تباہ ہو گئے اور اہل و عیال بھوکے ہیں، اللہ تعالیٰ سے ہمارے لیے (بارش کی) دعا فرمائیں۔ آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھائے اور دعا فرمائی۔ چنانچہ چاروں طرف سے پہاڑوں کے مانند بادل اُٹھ آئے، آپ اپنے منبر سے نیچے بھی نہ اُتر پائے تھے کہ میں نے بارش کی بوندیں آپ کی داڑھی مبارک پر پڑتی دیکھی۔“^(۱)

دوسرے جمعہ میں وہی یا کوئی دوسرے اعرابی کھڑا ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! (بارش کی کثرت سے) ہمارے گھر منہدم ہو گئے ہیں اور

(۱) صحیح بخاری، کتاب الجمعة، باب الاستسقاء فی الخطبة یوم الجمعة، حدیث نمبر: ۸۹۱۔

مال و متاع (پانی میں) غرق ہو گیا ہے، لہذا آپ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لیے
 (بارش تھمنے) کی دعا فرمائیں، رسول اللہ ﷺ نے دست مبارک اٹھائے اور یہ
 دعا فرمائی: «اللَّهُمَّ حَوِّالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا» ”اے اللہ! ہمارے ارد گرد نازل فرما،
 ہم پر نہ برسنا۔“ پھر آپ نے جوں ہی ادھر ادھر اطراف میں اشارہ فرمایا،
 بادلوں میں شگاف پڑ گیا اور وہ فوراً چھٹ گئے۔^(۱)

دعاؤں کی مقبولیت کا سلسلہ امر مشاہد ہے یہ کبھی بند نہیں ہوا، بلکہ جو لوگ
 صدق دلی اور قبولیت کی شرائط کے ساتھ اللہ سے التجا کرتے ہیں ان کے لیے
 دعاؤں کی قبولیت کا یہ سلسلہ آج بھی اسی طرح قائم ہے۔

(دوم) بہت سے لوگوں نے انبیاء علیہم السلام کی نشانیوں (جنہیں معجزات
 کہا جاتا ہے) کا خود مشاہدہ کیا یا (معتبر ذرائع سے) ان کے بارے میں سنا ہے۔ یہ
 معجزات ان رسولوں کے بھیجنے والے اللہ تعالیٰ کی ذات کے وجود کی قطعی دلیل
 کی حیثیت رکھتے ہیں۔ نیز یہ حقائق انسانی قوتِ فہم سے بالاتر ہیں جنہیں اللہ
 تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی تائید و نصرت کے لیے جاری فرمایا تھا۔

^(۱) صحیح بخاری، کتاب الجمعة، باب الاستسقاء فی الخطبة یوم الجمعة، حدیث نمبر: ۸۹۱، صحیح مسلم،
 کتاب صلاة الاستسقاء، باب الدعاء فی الاستسقاء، حدیث نمبر: ۸۹۷۔

اس کی مثال: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ معجزہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں سمندر پر اپنی لاٹھی مارنے کا حکم فرمایا تو جو نہی موسیٰ علیہ السلام نے فرمانِ الہی کی تعمیل کی، سمندر میں بارہ خشک راستے پھٹ گئے، اور ان راستوں کے درمیان پانی پہاڑوں کے مانند کھڑا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿فَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَضْرِبْ بِعَصَاكَ الْبَحْرَ فَانفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيمِ ﴿٦٣﴾﴾

”ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ دریا پر اپنا عصا مارو، پس اسی وقت دریا پھٹ گیا اور ہر ایک حصہ پانی کا مثل بڑے پہاڑ کے ہو گیا“ [سورہ شعراء: ۶۳]۔

دوسری مثال: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مُردوں کو زندہ کرنے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہیں قبروں سے باہر نکالنے کا معجزہ، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿...وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ...﴾

”... اور مردوں کو زندہ کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے حکم سے...“ [سورہ آل

عمران: ۴۹]۔ اور ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿...وَأِذَا نُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِي...﴾

”... اور جب کہ تم مُردوں کو نکال کر کھڑا کر لیتے تھے میرے حکم سے...“ [سورہ مائدہ: ۱۱۰]۔

تیسری مثال: جب قریش نے آپ سے معجزے کا مطالبہ کیا تو آپ نے چاند کی طرف اشارہ فرمایا، اور وہ دو حصوں میں بٹ گیا اور تمام لوگوں نے اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کیا۔ اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿أَقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَأَنْشَقَّ الْقَمَرُ ۗ وَإِنْ يَرَوْا آيَةً يُعْرَضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ﴿٢٨﴾﴾

”قیامت قریب آگئی اور چاند پھٹ گیا۔ یہ اگر کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ یہ پہلے سے چلا آتا ہوا جادو ہے“ [سورہ قمر: ۱-۲]۔

یہ سارے حسی معجزات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے رسولوں کی تائید و نصرت کے لیے جاری فرمایا تھا، جو قطعی طور پر اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلالت کرتے ہیں۔

دوسرا اصول: اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر ایمان: یعنی (اس بات پر ایمان) کہ وہ اکیلا اور تنہا پروردگار ہے۔ نہ اس کا کوئی شریک ہے اور نہ مددگار۔

رب سے مراد وہ ہستی ہے جو پوری مخلوق اور بادشاہی کی مالک ہو، اور حکم بھی صرف اسی کا چلتا ہو، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ نہ کوئی دوسرا خالق ہے، نہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا مالک ہے، اور نہ ہی اس کے سوا کوئی دوسرا حاکم ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿...أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ...﴾

”... یاد رکھو، اللہ ہی کے لیے خاص ہے خالق ہونا اور حاکم ہونا۔۔۔“

[سورۃ اعراف: ۵۴]۔ اور ایک مقام پر یوں ارشاد ہوا:

﴿...ذَٰلِكُمْ أَللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِن قِطْمِيرٍ﴾

”... یہی ہے اللہ تم سب کا پالنے والا، اسی کی سلطنت ہے۔ جنہیں تم اُس کے سوا پکار رہے ہو، وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں۔“ [سورۃ فاطر: ۱۳]۔

مخلوق میں سے کسی نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ربوبیت کا انکار نہیں کیا، سوائے ان لوگوں کے جن کو تکبر کا عارضہ لاحق ہو گیا لیکن وہ بھی جو کچھ کہتے تھے خود اس کا عقیدہ نہ رکھتے تھے، جیسا کہ فرعون کے اس خطاب سے ظاہر ہے جو اس

نے اپنی قوم سے کیا تھا:

﴿فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ﴾

”کہ تمہارا سب سے بڑا رب میں ہی ہوں۔“ [سورہ نازعات: ۲۴]، اور

ایک مقام پر کہا:

﴿...يَأْتِيهَا الْمَلَأُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ إِلَٰهِ غَيْرِي...﴾

”... اے درباریو! میں تو اپنے سوا کسی کو تمہارا معبود نہیں جانتا۔۔۔“

[سورہ قصص: ۳۸]، لیکن فرعون کا یہ دعویٰ عقیدہ کی بنیاد پر نہیں تھا۔ چنانچہ

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا...﴾

”صرف ظلم اور تکبر کی بنا پر انھوں نے انکار کر دیا، حالانکہ ان کے دل

یقین کر چکے تھے۔۔۔“ [سورہ نمل: ۱۴]۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام

نے فرعون سے جو کچھ کہا تھا قرآن کریم میں اس کی حکایت یوں ذکر ہوئی ہے:

﴿...لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا أَنْزَلَ هَٰؤُلَاءِ إِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ

بَصَآئِرٍ وَإِنِّي لَأُظُنُّكَ بِفِرْعَوْنَ مُثْبَوْرًا﴾

”... یہ تو تجھے علم ہو چکا ہے کہ آسمان وزمین کے پروردگار ہی نے یہ

معجزے دکھانے، سمجھانے کو نازل فرمائے ہیں، اے فرعون! میں تو سمجھ رہا ہوں کہ تو یقیناً ہلاک زدہ ہے۔“ [سورہ اسراء: ۱۰۲]، اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ مشرکین عرب بھی اللہ تعالیٰ کی الوہیت میں شرک کے باوجود اس کی ”ربوبیت“ کا اقرار کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ لِّمَنِ الْأَرْضُ وَمَنْ فِيهَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۸۵﴾ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۸۶﴾ قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿۸۷﴾ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿۸۸﴾ قُلْ مَنْ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۸۹﴾ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ فَأَنَّى تُسْحَرُونَ ﴿۹۰﴾﴾

”پوچھیے تو سہی کہ زمین اور اس کی کل چیزیں کس کی ہیں؟ بتلاؤ اگر جانتے ہو؟ فوراً جواب دیں گے کہ اللہ کی۔ کہہ دیجیے کہ پھر تم نصیحت کیوں نہیں حاصل کرتے۔ دریافت کیجیے کہ ساتوں آسمانوں کا اور بہت باعظمت عرش کا رب کون ہے؟ وہ لوگ جواب دیں گے کہ اللہ ہی ہے۔ کہہ دیجیے: پھر تم کیوں نہیں ڈرتے؟ پوچھیے کہ تمام چیزوں کا اختیار کس کے ہاتھ میں ہے؟ جو پناہ دیتا ہے اور جس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دیا جاتا، اگر تم جانتے ہو تو بتلا دو؟ یہی

جواب دیں گے کہ اللہ ہی ہے۔ کہہ دیجیے: پھر تم کدھر سے جادو کر دیے جاتے ہو؟“ [سورہ مؤمنون: ۸۳-۸۹]۔

اور ایک جگہ یوں ارشاد ہے:

﴿وَلَيْنِ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ
الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ﴿٩﴾﴾

”اگر آپ اُن سے دریافت کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو یقیناً اُن کا جواب یہی ہو گا کہ انھیں غالب و دانا (اللہ) ہی نے پیدا کیا ہے۔“
[سورہ زخرف: ۹]۔

ایک اور جگہ اللہ پاک نے فرمایا:

﴿وَلَيْنِ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَنَّى يُؤْفَكُونَ ﴿٨٧﴾﴾

”اگر آپ اُن سے دریافت کریں کہ انھیں کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یقیناً یہ جواب دیں گے کہ اللہ نے، پھر یہ کہاں الٹے جاتے ہیں؟“ [سورہ زخرف: ۸۷]۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا امر (حکم)، امر کوئی و شرعی پر مشتمل ہے، جس طرح وہ کائنات کا مدبر ہے جو اپنی بہترین حکمتِ عملی کے تقاضے کے مطابق جو کچھ چاہتا ہے

اس کا فیصلہ فرماتا ہے۔ اسی طرح وہ اس کائنات کا حاکم بھی ہے، چنانچہ عبادت، احکام اور معاملات میں اپنی حکمت کے تقاضے کے مطابق شریعت کے احکام نافذ فرماتا ہے۔ لہذا جو کوئی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو عبادت میں شریعت ساز، یا معاملات میں حاکم بنا لے وہ مشرک ہے اور اس کا ایمان غیر معتبر ہے۔

تیسرا اصول: اللہ تعالیٰ کی ”الوہیت“ پر ایمان: یعنی صرف وہی تنہا حقیقی معبود ہے، کوئی اس کا شریک نہیں ہے، اور ”الہ“ بمعنی ”مالوہ“، یعنی ”معبود“ کے ہیں۔ اس سے مراد وہ ہستی ہے جس کی محبت اور تعظیم کے ساتھ عبادت کی جائے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَاللَّهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ﴿١٣٣﴾﴾

”تم سب کا معبود ایک ہی معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ وہ بہت رحم کرنے والا اور بہت بڑا مہربان ہے۔“ [سورہ بقرہ: ۱۶۳]۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَابِئًا بِأَلْفِ سُطْرٍ لَّا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٨﴾﴾

”اللہ، فرشتے اور اہل علم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی

معبود نہیں اور وہ عدل کے ساتھ دنیا کو قائم رکھنے والا ہے، اس غالب اور حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔“ [سورہ آل عمران: ۱۸]۔
چنانچہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جس کسی کو معبود سمجھ کر پوجا گیا، اس کی الوہیت غلط اور باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِن دُونِهِ هُوَ الْبَاطِلُ
وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ﴾ (۶۶)

”یہ سب اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے اور اس کے سوا جسے بھی یہ پکارتے ہیں وہ باطل ہے اور بے شک اللہ ہی بلندی والا، کبریائی والا ہے“ [سورہ حج: ۶۲]۔
اگر کوئی شخص کسی کو ”الہ“ یا ”معبود“ پکارنے لگے تو اس سے اس کو ”حق الوہیت“ حاصل نہیں ہو جاتا۔ چنانچہ ”لات“، ”عزی“ اور ”مناتہ“ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاءُكُمْ مَّا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا
مِن سُلْطٰنٍ...﴾

”دراصل یہ صرف نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے ان کے رکھ لیے ہیں، اللہ نے ان کی کوئی دلیل نہیں اتاری۔۔۔۔۔“ [سورہ نجم: ۲۳]۔

اور اللہ کا ارشاد ہے کہ ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا:

﴿...أَتَجِدِ لُنِي فِي أَسْمَاءِ سَمِيئُوهَا أَنْتُمْ وَعَابَاؤُكُمْ مَا نَزَّلَ
اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ...﴾

”کیا تم مجھ سے ایسے ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے ٹھہرا لیا ہے؟ ان کے معبود ہونے کی اللہ نے کوئی دلیل نہیں بھیجی۔۔۔“ [سورہ اعراف: ۷۱]۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل کے اپنے دونوں ساتھیوں سے جو فرمایا تھا وہ قرآن مجید میں یوں مذکور ہے:

﴿يَصْحَبِي السِّجْنِ عَرَبَاتٌ مُتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أُمُّ اللَّهِ الْوَالِدُ
الْقَهَّارُ ﴿٣٩﴾ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءَ سَمِيئُوهَا أَنْتُمْ
وَعَابَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ...﴾

”اے میرے قید خانے کے ساتھیو! کیا متفرق کئی ایک پروردگار بہتر ہیں یا ایک اللہ زبردست طاقتور؟ اس کے سوا تم جن کی پوجا پاٹ کر رہے ہو، وہ سب نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے خود ہی گھڑ لیے ہیں۔ اللہ نے ان کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔۔۔“ [سورہ یوسف: ۳۹-۴۰]۔

اسی لیے تمام پیغمبر علیہم السلام اپنی اپنی قوم سے یہی کہتے رہے:

﴿...أَعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ...﴾

”--- تم اللہ کی عبادت کرو، اُس کے سوا کوئی تمہارا معبود ہونے کے قابل

نہیں۔۔۔“ [سورۃ اعراف: ۵۹]۔ لیکن مشرکین نے اس حقیقت سے انکار کیا

اور اللہ کے علاوہ کچھ دوسرے الہ (معبود) بنا کر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ ان کی بھی پرستش کرنے لگے اور (بوقت ضرورت) ان سے مدد کے طالب ہوتے اور انہیں سے استغاثہ و فریاد کیا کرتے تھے۔

مشرکین کی طرف سے انھیں معبود بنا لینے کا رد اللہ تعالیٰ نے دو عقلی

دلیلوں سے فرمایا ہے:

پہلی دلیل: جن کو لوگوں نے معبود بنا رکھا ہے ان میں ”الوہیت“ کی صفات نہیں پائی جاتیں بلکہ وہ خود مخلوق ہیں، کسی بھی چیز کو پیدا کرنا ان کے بس میں نہیں، وہ اپنی پرستش کرنے والوں کو نہ کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ ان سے کسی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں، نہ وہ ان کے لیے زندگی کے مالک ہیں اور نہ موت کے، نہ آسمانوں کی کوئی چیز ان کی ملکیت میں ہے اور نہ وہ اس میں شریک ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ ءِالِهَةً لَّا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ وَلَا يَمْلِكُونَ لِأَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَلَا حَيَاةً وَلَا نُشُورًا ﴿٣٠﴾﴾

”ان لوگوں نے اللہ کے سوا جنہیں اپنے معبود ٹھہرا رکھا ہے وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود پیدا کئے جاتے ہیں، یہ تو اپنی جان کے نفع و نقصان کا بھی اختیار نہیں رکھتے اور نہ موت و حیات کے اور نہ دوبارہ جی اٹھنے کے مالک ہیں۔“ [سورہ فرقان: ۳]۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِنْ شِرْكٍَ وَمَا لَهُمْ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيرٍ ﴿٢٢﴾ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ...﴾

”کہہ دیجیے کہ اللہ کے سوا جن جن کا تمہیں گمان ہے۔ (سب) کو پکار لو، نہ ان میں سے کسی کو آسمانوں اور زمینوں میں سے ایک ذرے کا اختیار ہے نہ ان کا ان میں کوئی حصہ ہے نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے، شفاعت بھی اس کے پاس کچھ نفع نہیں دیتی بجز ان کے جن کے لیے اجازت ہو جائے۔۔۔۔“ [سورہ سبأ: ۲۲-۲۳]۔

(أَيُّشْرِكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ﴿١٩١﴾ وَلَا يَسْتَطِيعُونَ لَهُمْ نَصْرًا وَلَا أَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُونَ ﴿١٩٢﴾)

نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ”کیا وہ ایسوں کو شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود پیدا کیے جاتے ہیں۔ وہ نہ تو ان کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ خود اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں۔“ [سورۃ اعراف: ۱۹۱-۱۹۲]۔

جب ان معبودانِ (باطلہ) کا یہ حال ہے تو پھر ان کو حقیقی معبود بنا لینا بہت بڑا فریب اور پرلے درجہ کی بے وقوفی ہے۔

دوسری دلیل: ان مشرکین کو بھی اس بات کا یقین اور اقرار تھا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی اکیلا رب اور خالق ہے، اسی کے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہے، وہ پناہ دیتا ہے۔ لیکن اس کے مقابلے میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا، غرض یہ کہ کوئی اس کا ہم پلہ نہیں ہے۔ نیز اس میں ”ربوبیت کی یکتائی“ کی طرح اس کی ”الوہیت کی یکتائی“ بھی شامل ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٥١﴾ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا

لَكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٢﴾

”اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے کے لوگوں کو پیدا کیا، یہی تمہارا بچاؤ ہے۔ جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتار کر اس سے پھل پیدا کر کے تمہیں روزی دی، خبردار باوجود جاننے کے اللہ کے شریک مقرر نہ کرو۔“

[سورہ بقرہ: ۲۱-۲۲]-

اور ایک مقام پر یوں ارشاد ہوا:

﴿وَلَيْنِ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَنَّى يُؤْفَكُونَ ﴿٨٧﴾﴾

”اگر آپ اُن سے دریافت کریں کہ انہیں کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یقیناً یہ جواب دیں گے کہ اللہ نے، پھر یہ کہاں لٹے جاتے ہیں؟“ [سورہ زخرف: ۸۷]-

نیز فرمایا:

﴿قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَرَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأُمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٢١﴾﴾ فَذَلِكَ كُفُّوا اللَّهُ

رَبُّكُمْ الْحَقُّ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ ۗ فَأَنَّى تُصْرَفُونَ ﴿٣٢﴾

"آپ کہہ دیجیے کہ وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے یا وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے اور وہ کون ہے جو زندے کو مردے سے نکالتا ہے اور مردے کو زندے سے نکالتا ہے اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے؟ ضرور وہ یہی کہیں گے کہ "اللہ"۔ تو ان سے کہیے کہ پھر کیوں نہیں ڈرتے؟ سو یہ ہے اللہ جو تمہارا حقیقی رب ہے، پھر حق کے بعد اور کیا رہ گیا ججز مگر ابی کے، پھر کہاں پھیرے جاتے ہو؟" [سورہ یونس: ۳۱-۳۲]۔

چوتھا اصول: اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات پر ایمان

اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے خود اپنی کتاب، یا اپنے رسول ﷺ کی سنت میں جن اسماء و صفات کا اثبات فرمایا ہے، ان کی تحریف و تعطیل اور تکلیف و تمثیل کے بغیر جس طرح اس کی ذات کے شایان شان ہے، اسی طرح ان کا اثبات کرنا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا ۚ وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٨﴾﴾

”اور اللہ کے اچھے نام ہیں، سو تم اللہ کو انھی ناموں کے ساتھ پکارو، اور ایسے لوگوں سے تعلق ہی نہ رکھو جو اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں، ان لوگوں کو ان کے کیے کی ضرور سزا ملے گی۔“ [سورۃ اعراف: ۱۸۰]۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

{...وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ}

”... اسی کی بہترین اور اعلیٰ صفت ہے، آسمانوں میں اور زمین میں بھی اور وہی غلبے والا حکمت والا ہے۔“ [سورۃ روم: ۲۷]۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

{...لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ}

”... اس جیسی کوئی چیز نہیں وہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔“ [سورۃ شوریٰ: ۱۱]۔

اس مسئلے میں دو گروہ گمراہی کا شکار ہوئے ہیں:

پہلا گروہ (معطلہ) کا ہے: یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات، یا ان میں سے بعض کے منکر ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ان اسماء و صفات کو ثابت کرنے سے تشبیہ لازم آتی ہے جو اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق کے مشابہ بنا دیتی ہے۔ لیکن یہ دعویٰ درج ذیل وجوہات کی بنا پر بالکل لغو اور باطل ہے:

پہلی وجہ: یہ دعویٰ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے کلام میں باہمی تضاد جیسے جھوٹے الزامات پر مشتمل ہے اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے ان اسماء و صفات کا اثبات کرنے کے ساتھ ساتھ کسی چیز کے اللہ کے ہم مثل ہونے کی نفی فرمائی ہے۔ لہذا اگر یہ مان لیا جائے کہ ان اسماء و صفات کو ثابت کرنے سے تشبیہ لازم آتی ہے تو اس سے کلام اللہ میں تضاد اور بعض آیات کی بعض سے تردید و تکذیب لازم آتی ہے۔

دوسری وجہ: اسم یا صفت میں سے کسی بھی دو چیز کے اتفاق سے ان کا باہم ایک جیسا ہونا لازم نہیں آتا جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں کہ دو شخصوں کے درمیان اس لحاظ سے اتفاق پایا جاتا ہے کہ وہ دونوں انسان ہیں، سنتے، دیکھتے اور بولتے ہیں لیکن اس سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ وہ انسانی مزاج، یا سننے، دیکھنے اور بولنے کے اعتبار سے بھی ایک دوسرے کے ساتھ کُلّی یکسانیت اور موافقت رکھتے ہوں۔

اسی طرح جانوروں کی مثال لے لیجیے، ان کے پاس ہاتھ، پاؤں اور آنکھیں ہوتی ہیں، لیکن ان کے اس اتفاق سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے ہاتھ، پاؤں اور آنکھیں حقیقت میں ایک جیسی ہوں۔

چنانچہ جب مخلوقات کے درمیان اسماء و صفات میں اتفاق کے باوجود بھی اختلاف واضح ہے، تو خالق و مخلوق کے درمیان اختلاف تو اس سے کہیں زیادہ واضح اور بڑا ہوا۔

دوسرا گروہ (مشتبہ) کا ہے: یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا اثبات تو کرتے ہیں لیکن اللہ کو مخلوق کے مشابہ قرار دیتے ہیں، ان کا گمان ہے کہ یہی نصوص کی دلالت کا تقاضا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے اسی طرح مخاطب ہوتا ہے جس طرح کہ وہ سمجھ سکیں۔ لیکن یہ گمان بھی مندرجہ ذیل وجوہات کی وجہ سے باطل و بے بنیاد ہے:

پہلی وجہ:- اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق کے ساتھ مشابہت ایک ایسا امر ہے جو عقل و شریعت دونوں کے رو سے یکسر باطل اور مردود ہے جب کہ یہ بات قطعاً ناممکن ہے کہ کتاب و سنت کی دلالت اور تقاضا غلط اور باطل ہو۔

دوسری وجہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے اسی طرح خطاب فرمایا ہے جس طرح کہ وہ اسے اصل معنی کی حیثیت سے سمجھتے ہیں، لیکن اس کے خطاب کے معانی کا جو حصہ اس کی ذات یا صفات سے متعلق ہے، اس کی حقیقت کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

چنانچہ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے ”سمع“ ہونے کا اثبات فرمایا ہے تو ”سمع“ اپنے اصل معنی کے اعتبار سے تو معلوم ہے (یعنی آوازوں کا ادراک) لیکن اللہ تعالیٰ کی ”سماعت“ کی نسبت سے اس کے ”سمع“ ہونے کی اصل حقیقت معلوم نہیں ہے۔ ”سمع“ کی حقیقت چونکہ مخلوقات میں بھی مختلف ہوتی ہے، لہذا خالق و مخلوق کے درمیان اس کا مختلف ہونا اور بھی زیادہ واضح اور بڑا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اگر اپنے متعلق اس بات کی خبر دی ہے کہ وہ اپنے عرش پر مستوی ہے تو ”استوا“ اپنے اصل معنی کے اعتبار سے اگرچہ معلوم ہے لیکن عرش پر اللہ تعالیٰ کے مستوی ہونے کی نسبت سے اس ”استوا“ کی حقیقت مجہول ہے۔ اس لیے کہ ”استوا“ کی حقیقت مخلوق کے حق میں بھی مختلف ہوتی ہے، چنانچہ کسی جہی ہوئی کرسی پر مستوی ہونا (بلند ہونا) بے قابو اونٹ کے کجاوے پر مستوی ہونے کی مانند نہیں ہے۔ چنانچہ یہ چیز جب مخلوق کے حق میں مختلف ہے تو خالق و مخلوق کے درمیان یہ اختلاف کہیں زیادہ واضح اور بڑا ہے۔

مذکورہ وصف کے ساتھ اللہ پر ایمان لانے کے بہت سے عظیم الشان ثمرات ہیں:

اول: اللہ تعالیٰ کی توحید کو بروئے عمل لانا: اس طرح کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے سے اُمیدیں وابستہ نہ رکھے، نہ کسی دوسرے سے خوفزدہ ہو اور نہ ہی کسی اور کی عبادت کرے۔

دوم: ”اسمائے حسنیٰ“ (یعنی اچھے ناموں) اور ”صفات علیا“ (بلند صفات) کے تقاضوں کے مطابق اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس سے کمالِ محبت کرنا۔

سوم: ”عبادت کی بجا آوری“ یعنی جن چیزوں کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے ان کو بجالانا، اور جن چیزوں سے منع فرمایا ہے ان سے اجتناب کرنا۔

فرشتوں پر ایمان

”ملائکہ“ یعنی فرشتے ایک غیبی اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والی مخلوق ہیں، ان میں ”ربوبیت“ اور ”الوہیت“ کی کوئی خصوصیت موجود نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں نور سے پیدا فرمایا ہے اور ان کو تمام احکامِ الہی پوری طرح بجالانے کی قدرت اور انہیں نافذ کرنے کی قوت عطا فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿...وَمَنْ عِنْدَهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا
يَسْتَحْسِرُونَ ﴿١٩﴾ يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ ﴿٢٠﴾﴾

”۔۔ اور جو اس کے پاس ہے وہ اس کی عبادت سے نہ سرکشی کرتے ہیں اور
نہ تھکتے ہیں۔ وہ دن رات تسبیح بیان کرتے ہیں اور ذرا سی بھی سستی نہیں
کرتے۔“ [سورۃ انبیاء: ۱۹-۲۰]

فرشتوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ان کی صحیح تعداد نہیں
جانتا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی قصہ معراج والی حدیث میں ثابت ہے: ”نبی
ﷺ جب آسمان میں ”بیت معمور“ پر پہنچے تو دیکھا کہ اس میں ہر روز ستر ہزار
فرشتے نماز پڑھتے ہیں اور جو اس میں سے ایک بار (نماز پڑھ کر) نکل جائے تو دوبارہ
اس میں لوٹ کر نہیں آتا، (یعنی دوبارہ پھر کبھی اس کی باری نہیں آتی)۔“

فرشتوں پر ایمان لانا چار امور پر مشتمل ہے:

(۱) فرشتوں کے وجود پر ایمان۔

(۲) جن فرشتوں کے نام ہمیں معلوم ہیں (جیسے جبریل علیہ السلام) ان پر

مفصل ایمان لانا اور جن فرشتوں کے نام ہمیں معلوم نہیں ہیں ان سب پر

اجمالاً ایمان لانا۔

(۳) فرشتوں کی جن صفات کا ہمیں علم ہے ان پر ایمان لانا، جیسا کہ حضرت جبریل علیہ السلام کی صفت کے متعلق نبی ﷺ نے بیان فرمایا: ”میں نے جبریل علیہ السلام کو ان کی اصل شکل و صورت میں دیکھا، ان کے چہ سوپر تھے اور انھوں نے افق کو بھر رکھا تھا۔ یعنی پوری فضا میں چھائے ہوئے تھے۔“

کبھی فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم سے انسانی شکل و صورت میں بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت جبریل علیہ السلام کے متعلق معروف ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انھیں حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بھیجا تو وہ ان کے پاس ایک عام انسان کی شکل میں آئے تھے۔ اسی طرح ایک مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان تشریف فرما تھے۔ وہ ایک ایسے شخص کی شکل میں آئے کہ ان کے کپڑے انتہائی سفید اور سر کے بال غیر معمولی طور پر سیاہ تھے، اور ان پر سفر کے آثار بھی نمایاں نہ تھے، صحابہ میں سے کوئی بھی انھیں نہیں پہچانتا تھا۔ وہ اپنے گھٹنے نبی ﷺ کے گھٹنوں سے ملا کر بیٹھ گئے اور اپنے ہاتھ اپنی رانوں پر رکھ لیے۔ انھوں نے نبی ﷺ سے اسلام، ایمان، احسان، قیامت کی گھڑی اور اس کی نشانیوں کے بارے میں سوال کیا۔ اور نبی ﷺ

انھیں جواب دیتے رہے۔ پھر نبی ﷺ نے (صحابہ کرام سے مخاطب ہو کر) فرمایا: «هَذَا جِبْرِيْلُ؛ اَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِيْنَكُمْ»۔ ”یہ جبریل تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔“^(۱)

اسی طرح وہ فرشتے جن کو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام کے پاس بھیجا تھا وہ بھی انسان ہی کی شکل میں آئے تھے۔

(۴) فرشتوں کے ان اعمال پر ایمان لانا جو ہمیں معلوم ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے انجام دیتے ہیں، مثلاً اللہ عزوجل کی تسبیح بیان کرنا اور دن رات مسلسل بغیر تھکاوٹ اور اکتاہٹ کے اس کی عبادت کرنا وغیرہ۔
بعض فرشتے مخصوص اعمال کے لیے مقرر ہیں۔

جیسے جبریل امین: اللہ تعالیٰ کی وحی پہنچانے پر مامور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی لے کر انھیں اپنے نبیوں اور رسولوں کے پاس بھیجا۔

میکائیل: ان کے ذمہ بارش اور نباتات (یعنی روزی) پہنچانے کا کام ہے۔
اسرافیل: قیامت کی گھڑی اور مخلوق کو دوبارہ زندہ کیے جانے کے وقت

(۱) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان الایمان والاسلام والاحسان ووجوب الایمان بإثبات قدر اللہ سبحانہ وتعالیٰ، حدیث نمبر: ۸۔

صور پھونکنے پر مامور ہیں۔

موت کا فرشتہ: موت کے وقت روح قبض کرنے پر مامور ہے۔

مالک: جہنم پر مامور بلکہ داروغہ جہنم ہے۔

جنین پر مامور فرشتے: اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو شکم مادر میں جنین (یعنی

بچے) پر مامور ہیں: چنانچہ جب انسان ماں کے رحم میں چار ماہ کی مدت پوری کر

لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس ایک فرشتہ بھیجتا ہے اور اسے اس کی روزی،

اس کی مدتِ زندگی، اس کے عمل اور اس کے بد بخت یا سعادت مند ہونے کو

قلم بند کرنے کا حکم دیتا ہے۔

بنی آدم کے اعمال کی حفاظت پر مامور فرشتے: ہر شخص کے اعمال کی

حفاظت اور انھیں لکھنے کے لیے دو فرشتے مقرر ہیں جن میں سے ایک انسان

کے دائیں جانب اور دوسرا بائیں جانب رہتا ہے۔

مردوں سے سوال کرنے پر مامور فرشتے: جب میت کو قبر میں رکھ دیا جاتا

ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جو اس سے اس کے رب، اس کے دین

اور اس کے نبی کی بابت سوال کرتے ہیں۔

فرشتوں پر ایمان لانے کے ثمرات:

اول: اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی، اس کی قوت اور اس کی سلطنت کا علم۔
یاد رہے کہ مخلوق کی عظمت خالق کی عظمت کی دلیل ہے۔

دوم: بنی آدم پر عنایات کرنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ادا کرنا کہ اس نے ان فرشتوں کو بنی آدم کی حفاظت، ان کے اعمال لکھنے اور دیگر مصلحتوں پر مامور فرمایا ہے۔

سوم: فرشتوں سے محبت کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اپنے سپرد کردہ فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہیں۔

گمراہوں کی ایک جماعت نے فرشتوں کے مجسم مخلوق ہونے کا انکار کیا ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ فرشتے دراصل مخلوقات میں موجود خیر و برکت کی (پوشیدہ) قوتوں کا نام ہے لیکن یہ دعویٰ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ اور تمام مسلمانوں کے اجماع کو صریحاً جھٹلانے کے مترادف ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ فَاطِرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ جَاعِلِ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا
أُولَىٰ أَجْنِحَةٍ مَّثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبْعًا...﴾

”اس اللہ کے لیے تمام تعریفیں سزاوار ہیں جو (ابتداءً) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا اور دو دو تین تین چار چار پروں والے فرشتوں کو اپنا پیغمبر (قاصد) بنانے والا ہے...“ [سورہ فاطر: ۱]-

اور ایک جگہ ارشاد فرمایا:

﴿وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ
وَأُذُنَهُمْ...﴾

”کاش کہ تو دیکھتا جب کہ فرشتے کافروں کی روح قبض کرتے ہیں ان کے منہ پر اور سرینوں پر مارتے ہیں...“ [سورہ انفال: ۵۰]-

اور ایک جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿...وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُوا
أَيْدِيهِمْ أَخْرَجُوا أَنفُسَهُمْ...﴾

”... اور اگر آپ اُس وقت دیکھیں جب کہ یہ ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے کہ ہاں اپنی جانیں نکالو...“ [سورہ انعام: ۹۳]-

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿...حَتَّىٰ إِذَا فُزِعَ عَن قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ ۖ قَالُوا الْحَقُّ ۖ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ﴾

”۔۔۔ یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دُور کر دی جاتی ہے تو پوچھتے ہیں، تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا؟ جواب دیتے ہیں کہ حق فرمایا اور وہ بلند و بالا اور بہت بڑا ہے۔“ [سورہ سبأ: ۲۳]۔

اہل جنت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿...وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِّن كُلِّ بَابٍ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَىٰ الدَّارِ﴾

”۔۔۔ ان کے پاس فرشتے ہر ہر دروازے سے آئیں گے۔ (کہیں گے کہ) تم پر سلامتی ہو، صبر کے بدلے، کیا ہی اچھا (بدلہ) ہے اس دارِ آخرت کا۔“ [سورہ رعد: ۲۳-۲۴]۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو پسند فرماتا ہے تو جبریل علیہ السلام کو پکارتا ہے اور ان سے کہتا ہے کہ بے شک اللہ فلاں بندے کو محبوب رکھتا ہے، اس لیے تم بھی اس سے محبت کرو، تو جبریل علیہ السلام بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔“

پھر جبریل علیہ السلام آسمان والوں کو پکارتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فلاں بندے کو محبوب رکھتا ہے، تم لوگ بھی اس سے محبت رکھو، تو تمام آسمان والے بھی اس بندے سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر اس کو زمین پر بھی شرف قبولیت سے نوازا جاتا ہے۔“^(۱)

اور صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: ”جمعہ کے دن مسجد کے تمام دروازوں پر فرشتے کھڑے ہو جاتے ہیں اور مسجد میں آنے والے نمازیوں (کے ناموں) کا ترتیب وار اندراج کرتے ہیں، پھر جب امام (خطبہ کے لیے منبر پر) بیٹھ جاتا ہے تو وہ بھی اپنے اپنے رجسٹر بند کر کے (اللہ تعالیٰ کا ذکر) سننے کے لیے (مسجد میں) آ جاتے ہیں۔“^(۲)

کتاب و سنت پر مشتمل مذکورہ بالا تمام نصوص اس بات کی صراحت کرتی ہیں کہ فرشتے مجسم مخلوق ہیں، پوشیدہ اور معنوی قوتیں نہیں جیسا کہ بعض گمراہ لوگوں کا کہنا ہے، نیز ان تمام نصوص کے تقاضوں پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔

(۱) صحیح بخاری: کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکة، حدیث نمبر: ۳۰۳۷، صحیح مسلم: کتاب البر والصلة والآداب، باب إذا أحب الله عبدا، حبہ إلی عباده، حدیث نمبر: ۲۶۳۷۔

(۲) صحیح بخاری: کتاب الجمعة، باب الاستماع إلی الخطبة، حدیث نمبر: ۸۸۷، صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب فضل التصحیر یوم الجمعة، حدیث نمبر: ۸۵۰۔

کتابوں پر ایمان

کتاب: کتاب کی جمع ہے جس کے معنی مکتوب (نوشتہ) کے ہیں۔

یہاں ”کتاب“ سے مراد وہ کتابیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی ہدایت و رحمت کے لیے رسولوں پر نازل فرمایا تاکہ ان کے ذریعہ وہ دنیا و آخرت کی سعادت سے بہرہ ور ہو سکیں۔

کتابوں پر ایمان چار امور پر مشتمل ہے:

اول: اس بات پر ایمان کہ ان کتابوں کا اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل ہونا، حق ہے۔

دوم: ان کتابوں میں سے جن کے نام ہمیں معلوم ہیں، مثلاً قرآنِ کریم جو کہ حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا، اور ”تورات“ کا نزول موسیٰ علیہ السلام پر ہوا۔ ”انجیل“ عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی اور ”زبور“ داود علیہ السلام کو دی گئی۔ ان سب پر ایمان لانا نیز ان کے علاوہ جن صحیفوں اور کتابوں کے نام ہمیں معلوم نہیں ان سب پر ہم مجمل ایمان رکھتے ہیں۔

سوم: ان کتابوں کی جو خبریں صحت کے درجہ کو پہنچتی ہیں مثلاً قرآنِ کریم

کی تمام خبریں اور سابقہ کتابوں کی وہ خبریں جن میں تحریف یا تغیر و تبدل نہیں ہوا، ان کی تصدیق کرنا۔

چہارم: ان کتابوں کے ان جملہ احکام پر برضا و رغبت عمل کرنا جو منسوخ نہیں ہوئے، خواہ ہم ان احکام کی حکمت کا ادراک کر سکے ہوں، یا ہم ایسا کرنے سے قاصر رہے ہوں۔ یاد رہے کہ سابقہ تمام کتابیں قرآن کریم کے ذریعہ منسوخ ہو چکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

{وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ
الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ...}

”اور ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ یہ کتاب نازل فرمائی ہے جو اپنے سے اگلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور ان کی محافظ ہے۔۔۔“ [سورہ مائدہ: ۴۸]۔ یعنی: ان پر حاکم ہے۔

لہذا پہلی کتابوں کے احکام میں سے کسی حکم پر عمل کرنا جائز نہیں ہے الا یہ کہ صحت کے درجہ کو پہنچ جائے، نیز قرآن کریم نے اسے منسوخ نہ کیا ہو بلکہ (پہلی حالت پر) برقرار رکھا ہو۔

کتابوں پر ایمان لانے کے چند ثمرات:

اول: بندوں کے تئیں اللہ تعالیٰ کی عنایت کا علم کہ اس نے ہر قوم کی ہدایت کے لیے ایک کتاب نازل فرمائی۔

دوم: شریعت سازی میں اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کا پتہ چلتا ہے کہ اس نے ہر قوم کے لیے ان کے احوال کے مطابق شریعت مقرر کی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

{...لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَا جَا...}

”۔۔۔ تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک دستور اور راہ مقرر کر دی ہے۔۔۔“ [سورہ مائدہ: ۴۸]۔

سوم: اس بارے میں اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر۔

رسولوں پر ایمان

”رسل“ رسول کی جمع ہے۔ اس کے معنی ”مرسل“ یعنی ”پیغمبر“، ”مبعوث“ اور ”فرستادہ“ کے ہیں۔ جو کسی شے کو پہنچانے کے لیے بھیجا گیا ہو۔ یاد رہے کہ یہاں ”رسل“ سے مراد: بشر میں سے وہ ہستیاں ہیں جن کی

طرف بذریعہ وحی شریعت نازل کی گئی اور انھیں اس کی تبلیغ کا حکم بھی دیا گیا۔
سب سے پہلے رسول حضرت نوح علیہ السلام، اور آخری رسول حضرت
محمد ﷺ ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿ إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ... ﴾

”یقیناً ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی کی ہے جیسے کہ نوح (علیہ
السلام) اور ان کے بعد والے نبیوں کی طرف کی...“ [سورہ نساء: ۱۶۳]۔

صحیح بخاری میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی
ﷺ نے فرمایا: ”(قیامت والے دن) لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس
آئیں گے تاکہ وہ ان کے لیے شفاعت کریں لیکن وہ عذر پیش کریں گے اور
کہیں گے کہ آپ لوگ نوح علیہ السلام کے پاس جائیں جو پہلے رسول ہیں جنہیں
اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔“ پھر انھوں نے پوری حدیث بیان کی^(۱)۔

اور حضرت محمد ﷺ کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

(۱) صحیح بخاری: کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿لَمَّا خَلَقْتُ بَدَنِي﴾، حدیث نمبر: ۷۴۱۰۔
صحیح مسلم: کتاب الایمان، باب آدمی اهل الجنة منزلة فيها، حدیث نمبر: ۱۹۳۔

{مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ
وَحَاتَمَ النَّبِيِّينَ...}

”(لوگو!) محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن آپ
اللہ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں کے ختم کرنے والے...“ [سورہ احزاب:
۴۰]-

کوئی بھی اُمت ایسی نہیں گزری جس کی طرف رسول یا نبی نہ آیا ہو بلکہ اللہ
تعالیٰ نے یا تو کسی رسول کو ان کی قوم کی طرف مستقل شریعت کے ساتھ
مبعوث فرمایا، یا پھر کسی نبی کو ان سے پہلے رسول کی شریعت کی تجدید کے لیے
بذریعہ وحی احکام شریعت بھیجے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

{وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا
الطَّغُوتَ...}

”ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ (لوگو!) صرف اللہ کی عبادت کرو اور
اس کے سوا تمام معبودوں سے بچو۔۔۔“ [سورہ نحل: ۳۶]-

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{...وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ}

”... اور کوئی امت ایسی نہیں ہوئی جس میں کوئی ڈر سنانے والا نہ گزرا ہو۔“

[سورہ فاطر: ۲۴]۔

نیز فرمایا:

(إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يَحْكُمُ بِهَا التَّيْبُونَ الَّذِينَ
أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا...)

”ہم نے تورات نازل فرمائی ہے جس میں ہدایت و نور ہے، یہودیوں میں
اسی تورات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ماننے والے انبیاء (علیہم السلام) فیصلے کرتے
تھے...“ [سورہ مائدہ: ۴۴]۔

تمام رسول بشر اور مخلوق ہیں، ان میں سے کسی میں بھی ربوبیت اور
الوہیت کی خصوصیات نہیں پائی جاتیں، حتیٰ کہ حضرت محمد ﷺ، جو کہ اللہ
تعالیٰ کے نزدیک تمام رسولوں کے سردار اور مرتبہ کے اعتبار سے سب سے
بڑے ہیں، کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

(قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ وَلَوْ كُنْتُ
أَعْلَمُ الْغَيْبِ لَأَسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ إِنْ أَنَا إِلَّا
نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۱۸۸﴾)

”آپ فرمادیجیے کہ میں خود اپنی ذات کے لیے بھی کسی نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے۔ اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو اپنے لیے بہت سے منافع حاصل کر لیتا اور کوئی نقصان مجھ کو نہ پہنچتا، میں تو محض ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں، ان لوگوں کو جو ایمان لائیں۔“ [سورۃ اعراف: ۱۸۸]۔

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ صَرًّا وَلَا رَشَدًا ﴿۱۱﴾ قُلْ إِنِّي لَنْ يُجِيرَنِي مِنَ اللَّهِ أَحَدٌ وَلَنْ أَجِدَ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحَدًا ﴿۱۲﴾)

”کہہ دیجیے کہ مجھے تمہارے کسی نفع نقصان کا اختیار نہیں۔ کہہ دیجیے کہ مجھے ہر گز کوئی اللہ سے بچا نہیں سکتا اور میں ہر گز اس کے سوا کوئی جائے پناہ بھی نہیں پاسکتا۔“ [سورۃ جن: ۲۱-۲۲]۔

رسولوں کے ساتھ بھی تمام بشری خصوصیات، مثلاً مرض، موت اور کھانے پینے کی حاجت وغیرہ لگی ہوئی تھیں، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بشری اوصاف کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنے رب تعالیٰ کے متعلق جو کچھ فرمایا تھا، اس کی حکایت قرآن کریم میں یوں ہوئی ہے:

(وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِي ﴿٧٩﴾ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِي ﴿٨٠﴾
وَالَّذِي يُمَيِّنُنِي ثُمَّ يُجْبِينِي ﴿٨١﴾)

”وہی ہے جو مجھے کھلاتا پلاتا ہے اور جب میں بیمار پڑ جاؤں تو مجھے شفاء عطا فرماتا ہے اور وہی مجھے مار ڈالے گا، پھر زندہ کر دے گا۔“ [سورہ شعراء: ۷۹-۸۱]

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”میں تو تم جیسا ہی بشر ہوں، جس طرح تم بھولتے ہو اسی طرح میں بھی بھولتا ہوں، پس جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دلادیا کرو۔“^(۱)

اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی عبودیت کے بلند ترین مقامات سے نوازا ہے، چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر ان کی تعریف و ثناء بیان فرمائی، مثال کے طور پر حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(...إِنَّهُ وَكَانَ عَبْدًا شَكُورًا)

(۱) صحیح بخاری: أبواب القبلة، باب التوجه نحو القبلة حيث كان، حدیث نمبر: ۳۹۲، صحیح مسلم: کتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب السهو في الصلاة، والسجود، حدیث نمبر: ۵۷۲۔

”۔۔۔ وہ ہمارا بڑا ہی شکر گزار بندہ تھا۔“ [سورۃ اسراء: ۳]۔

حضرت محمد ﷺ کے متعلق ارشاد فرمایا:

﴿تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ

نَذِيرًا ﴿١﴾﴾

”بہت بابرکت ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندے پر فرقان اتارنا تاکہ وہ تمام

لوگوں کے لیے آگاہ کرنے والا بن جائے۔“ [سورۃ فرقان: ۱]۔

اسی طرح حضرت ابراہیم اور اسحاق و یعقوب علیہم السلام کے متعلق

ارشاد فرمایا:

﴿وَأَذْكُرُ عَبْدَنَا إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ أُولَى الْأَيْدِي

وَالْأَبْصَرِ ﴿٢٥﴾ إِنَّا أَخْلَصْنَاهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿٢٦﴾ وَإِنَّهُمْ عِندَنَا

لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ ﴿٥٧﴾﴾

”ہمارے بندوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کا بھی لوگوں سے ذکر کرو جو

بڑی قوت اور بصیرت والے تھے۔ ہم نے انہیں ایک خاص بات یعنی آخرت

کی یاد کے ساتھ مخصوص کر دیا تھا۔ یہ سب ہمارے نزدیک برگزیدہ اور بہترین

لوگ تھے۔“ [سورۃ ص: ۴۵-۴۷]۔

اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے متعلق ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ﴾

”عیسیٰ بھی صرف بندہ ہی ہے جس پر ہم نے احسان کیا اور اُسے بنی اسرائیل کے لیے نشانِ (قدرت) بنایا۔“ [سورہ زخرف: ۵۹]۔

رسولوں پر ایمان چار امور پر مشتمل ہے:

اول: اس بات پر ایمان کہ ان کی رسالت برحق اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے تھی، چنانچہ جس نے ان رسولوں میں سے کسی کی بھی رسالت کا انکار کیا، تو اس نے ان سب کا انکار کیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے واضح ہے:

﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ﴾

”قومِ نوح نے بھی نبیوں کو جھٹلایا۔“ [سورہ شعراء: ۱۰۵]

غور کیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو تمام رسولوں کو جھٹلانے والی قوم قرار دیا، حالانکہ جس وقت انھوں نے تکذیب کی تھی اس وقت تک حضرت نوح علیہ السلام کے سوا کوئی دوسرا رسول ان کے ہاں نہ آیا تھا۔ بنا بریں جن عیسائیوں نے حضرت محمد ﷺ کو جھٹلایا اور ان کی پیروی

نہیں کی، تو انہوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم کو بھی جھٹلایا اور وہ ان کی اتباع کرنے والوں میں سے بھی نہ رہے، کیوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان عیسائیوں کو حضرت محمد ﷺ کی آمد کی بشارت دی تھی۔ ان کو اس امر کی بشارت دیے جانے کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ حضرت محمد ﷺ ان کی طرف اللہ کے بھیجے ہوئے رسول ہوں گے، اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے ہاتھوں ان لوگوں کو گمراہیوں سے محفوظ فرمائے گا اور انہیں سیدھی راہ دکھائے گا۔

دوم: ان رسولوں پر ایمان لانا جن کے نام ہمیں معلوم ہیں، مثلاً حضرت محمد، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور نوح علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ یہ پانچ اولوالعزم رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں دو مقامات پر ان کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ ابْنِ مَرْيَمَ ۗ وَأَخَذْنَا مِنْهُم مِّيثَاقًا عَلِيمًا ۝۷﴾

”جب کہ ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا اور (بالخصوص) آپ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور مریم کے بیٹے عیسیٰ سے اور ہم نے ان

سے پختہ عہد لیا۔“ [سورہ احزاب: ۷]۔ مزید ارشاد الہی ہے:

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ
وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا
تَتَفَرَّقُوا فِيهِ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ
مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ ﴿١٣﴾﴾

”اللہ نے تمہارے لیے وہی دین مقرر کر دیا ہے جس کے قائم کرنے کا اُس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جو (بذریعہ) وحی ہم نے تیری طرف بھیج دیا ہے اور جس کا تاکیدی حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا تھا کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا، جس چیز کی طرف آپ انھیں بلا رہے ہیں وہ تو مشرکین پر گراں گزرتی ہے، اللہ جسے چاہتا ہے اپنا برگزیدہ بناتا ہے اور جو بھی اس کی طرف رجوع کرے وہ اُس کی صحیح راہنمائی کرتا ہے۔“ [سورہ شوری: ۱۳]۔

ان برگزیدہ رسولوں کے علاوہ جن انبیاء کرام علیہم السلام کے اسمائے گرامی کا ہمیں علم نہیں، ان پر بھی اجمالاً ایمان لانا ہم پر لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّن قَصَصْنَا عَلَيْكَ
وَمِنْهُمْ مَّن لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ...﴾

”یقیناً ہم آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیج چکے ہیں جن میں سے
بعض کے (واقعات) ہم آپ کو بیان کر چکے ہیں اور ان میں سے بعض کے
(قصے) تو ہم نے آپ کو بیان ہی نہیں کیے...“ [سورہ غافر: ۷۸]۔

سوم: ان کی جو خبریں صحیح اور ثابت ہوں، ان کی تصدیق کرنا۔

چہارم: ان رسولوں میں سے جو رسول ہمارے پاس تشریف لائے، ان کی
شریعت پر عمل کرنا، اور بلاشبہ وہ خاتم الرسل حضرت محمد ﷺ ہیں جو تمام
انسانوں کی طرف بھیجے گئے پیغمبر ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا
يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٦٥﴾﴾

”سو قسم ہے تیرے پروردگار کی! وہ ایماندار نہیں ہو سکتے، جب تک کہ
تمام آپس کے اختلاف میں آپ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلے آپ ان میں کر
دیں ان سے اپنے دل میں اور کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور
فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں۔“ [سورہ نساء: ۶۵]۔

رسولوں پر ایمان لانے کے ثمرات:

اول: بندوں پر اللہ تعالیٰ کی عنایت و رحمت کا علم کہ اس نے اپنے بندوں کی طرف اپنے رسولوں کو محض اس لیے بھیجا کہ وہ انھیں اللہ تعالیٰ کے راستے کی طرف رہنمائی کریں اور اللہ کی عبادت کرنے کا طریقہ بیان کریں، کیونکہ صرف عقل انسانی کے ذریعہ ان چیزوں کی معرفت ناممکن ہے۔

دوم: اس بڑی نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے۔

سوم: تمام رسل علیہم السلام کے شایان شان ان کی تعظیم، محبت اور ثنا کرنا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول ہیں، نیز اس لیے بھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عبادت گزار بندے تھے، اس کی رسالت کی تبلیغ کی اور اس کے بندوں کے ساتھ خیر خواہی کی۔

منکرین رسالت کا نظریہ اور اس کا رد: معاندین نے اس دعوے سے اپنے رسولوں کو جھٹلایا کہ بشر اللہ تعالیٰ کے رسول نہیں ہو سکتے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس زعم کا تذکرہ کرتے ہوئے یوں رد فرمایا:

﴿وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَسُولًا ﴿٩٦﴾ قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَمْسُونَ

مُظْمِئِينَ لَنزَلْنَا عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَسُولًا ﴿٩٥﴾

”لوگوں کے پاس ہدایت پہنچ چکنے کے بعد ایمان سے روکنے والی صرف یہی چیز رہی کہ انھوں نے کہا: کیا اللہ نے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ آپ کہہ دیں کہ اگر زمین میں فرشتے چلتے پھرتے اور رہتے بستے ہوتے تو ہم بھی ان کے پاس کسی آسمانی فرشتے ہی کو رسول بنا کر بھیجتے۔“ [سورۃ اسراء: ۹۴-۹۵]-

اس گمان کا رد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ چونکہ زمین کے باشندے بشر ہیں، اور رسول انھی کی طرف بھیجے گئے ہیں، لہذا ان رسولوں کا بشر ہونا ضروری ہے اور اگر زمین کے باشندے فرشتے ہوتے تو اللہ تعالیٰ یقیناً ان پر آسمان سے کسی فرشتے ہی کو رسول بنا کر نازل فرماتا تاکہ وہ ان جیسا ہی ہو۔ اسی طرح قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو جھٹلانے والوں کا قول یوں نقل فرمایا ہے:

﴿...إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا تُرِيدُونَ أَنْ تَصُدُّونَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا فَأَثُونَا بِسُلْطَنِ مُبِينٍ ﴿١٠﴾ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِنْ نَحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَمُنُّ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۗ وَمَا كَانَ لَنَا أَنْ نَأْتِيَكُمْ بِسُلْطَنِ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ...﴾

”۔ تم تو ہم جیسے ہی انسان ہو تم چاہتے ہو کہ ہمیں ان خداؤں کی عبادت سے روک دو جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے رہے۔ اچھا تو ہمارے سامنے کوئی کھلی دلیل پیش کرو۔ ان کے پیغمبروں نے ان سے کہا کہ یہ تو سچ ہے کہ ہم تم جیسے ہی انسان ہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنا فضل کرتا ہے۔ اللہ کے حکم کے بغیر ہماری مجال نہیں کہ ہم کوئی معجزہ تمہیں لا دکھائیں۔۔۔“ [سورہ ابراہیم: ۱۰-۱۱]۔

یومِ آخرت پر ایمان

”یومِ آخرت“ سے مراد روزِ قیامت ہے۔ جس دن لوگوں کو ان کے اعمال کے حساب و جزا کے لیے دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ اس دن کا نام ”یومِ آخرت“ اس لیے ہے کہ اس کے بعد کوئی دوسرا دن نہ ہوگا، کیونکہ تمام اہل جنت اور اہل جہنم اپنے اپنے ٹھکانوں میں قرار پا چکے ہوں گے۔

آخرت کے دن پر ایمان تین امور پر مشتمل ہے:

اول: دوبارہ اٹھائے جانے پر ایمان لانا۔ دوبارہ اٹھائے جانے سے مراد

دوسری بار صور پھونکتے وقت مردوں کو زندہ کرنا ہے، چنانچہ تمام لوگ بغیر جوتوں کے ننگے پاؤں، بغیر لباس کے ننگے جسم، اور بغیر ختنوں کے اللہ رب العالمین کے حضور کھڑے ہو جائیں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿... كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ وَعَدًّا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ﴾

”... جیسے کہ ہم نے اول دفعہ پیدائش کی تھی اسی طرح دوبارہ کریں گے۔ یہ ہمارے ذمے وعدہ ہے اور ہم اسے ضرور کر کے (ہی) رہیں گے۔“
[سورۃ انبیاء: ۱۰۴]۔

دوبارہ اٹھایا جانا برحق اور ثابت ہے، کتاب اللہ، سنت رسول اور مسلمانوں کا جماع سب اس کے ثبوت پر دلالت کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ثُمَّ إِنَّكُمْ بَعْدَ ذَلِكَ لَمَيِّتُونَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَبْعَتُونَ ﴿۱۶﴾﴾

”اس کے بعد پھر تم سب یقیناً مر جانے والے ہو۔ پھر قیامت کے دن بلاشبہ تم سب اٹھائے جاؤ گے۔“ [سورۃ مؤمنون: ۱۵-۱۶]۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”قیامت کے دن لوگوں کو ننگے پاؤں، ننگے بدن اور

بغیر ختنے کے جمع کیا جائے گا۔“^(۱) متفق علیہ۔

اس کے ثبوت پر مسلمانوں کا اجماع ہے، اور حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی اس مخلوق کو دوبارہ زندہ کرے اور اپنے رسولوں کے ذریعے اس نے ان پر جو فرائض عائد کیے تھے، ان کی انھیں جزا دے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ﴾^(۱۱۵)

”کیا تم یہ گمان کیے ہوئے ہو کہ ہم نے تمہیں یوں ہی بیکار پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹائے ہی نہ جاؤ گے۔“ [سورہ مؤمنون: ۱۱۵]۔

اور اپنے پیغمبر ﷺ سے فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَىٰ مَعَادٍ...﴾

”جس اللہ نے آپ پر قرآن نازل فرمایا ہے وہ آپ کو دوبارہ پہلی جگہ لانے والا ہے۔۔۔“ [سورہ قصص: ۸۵]۔

(۱) صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، وصفۃ نعیمھا وأھلھا، باب فناء الدنیا، و بیان الحشر یوم القیامۃ، حدیث نمبر: ۲۸۵۹۔

دوم: حساب و جزا پر ایمان لانا، یعنی بندے کے تمام اعمال کا حساب ہو گا اور اس کے مطابق اسے پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اس کے ثبوت پر بھی کتاب و سنت اور مسلمانوں کا اجماع دلالت کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴿٢٦﴾﴾

”بے شک ہماری طرف ان کا لوٹنا ہے۔ پھر بے شک ہمارے ذمہ ہے ان سے حساب لینا ہے۔“ [سورہ غاشیہ: ۲۵-۲۶]۔

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَىٰ إِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٦﴾﴾

”جو شخص نیک کام کرے گا، اُس کو اُس کے دس گنا ملیں گے اور جو شخص برا کام کرے گا، اس کو اس کے برابر ہی سزا ملے گی اور ان لوگوں پر ظلم نہ ہو گا۔“ [سورہ انعام: ۱۶۰]۔ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ۗ وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَفَىٰ بِنَا حَسِيبِينَ ﴿٤٧﴾﴾

”اور قیامت کے دن ہم (لوگوں کے اعمال تو لنے کے لیے) میزانِ عدل قائم کریں گے۔ پھر کسی پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔ اور اگر ایک رائی کے دانے کے برابر بھی عمل ہو گا ہم اسے لاحقہ کر دیں گے، اور ہم کافی ہیں حساب کرنے والے۔“

[سورۃ انبیاء: ۴۷]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے روز اللہ تعالیٰ مومن شخص کو اپنے قریب بلا کر اپنے پردے سے ڈھانپ لے گا اور اس سے پوچھے گا کہ کیا تو یہ اور یہ گناہ جانتا ہے؟ وہ جواب دے گا، ہاں، اے میرے رب! یہاں تک کہ جب وہ اپنے گناہوں کے اقرار کے بعد یہ سمجھ لے گا کہ وہ تو تباہ و برباد ہو گیا ہے، تو اللہ فرمائے گا: میں نے دنیا میں تیرے ان گناہوں کی پردہ پوشی کی تھی، آج میں تیرے ان گناہوں کو معاف کرتا ہوں، چنانچہ اس کو اس کی نیکیوں کا اعمال نامہ دے دیا جائے گا، لیکن کفار اور منافقین کو علی الاعلان تمام مخلوق کے سامنے بلا کر یہ کہا جائے گا: ”یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کو جھٹلایا، خبردار ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔“^(۱) متفق علیہ۔

(۱) صحیح بخاری: کتاب المظالم، باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ﴾، حدیث نمبر: ۲۳۰۹، صحیح مسلم: کتاب التوبۃ، باب قبول توبۃ القاتل، وإن کثر قتله، حدیث نمبر: ۲۷۸۸۔

اور نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: ”جس کسی نے نیکی کا ارادہ کرنے کے بعد اس پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ اس ایک نیکی کو اپنے ہاں دس گنا سے سات سو گنا، بلکہ اس سے بھی کئی گنا زیادہ نیکیاں لکھ دیتا ہے، اور جب کوئی کسی بدی کا ارادہ کر کے اس پر عمل بھی کر گزرے، تو اللہ تعالیٰ (اس کے نامہ اعمال میں) صرف ایک ہی بدی لکھتا ہے۔“^(۱)

قیامت کے روز تمام انسانی اعمال کے حساب و کتاب اور ان کی جزا و سزا کے اثبات پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے اور حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کتابیں نازل کیں اور رسول بھیجے، جو احکام شریعت وہ لائے تھے انھیں قبول کرنا اور ان میں سے جن احکام پر عمل کرنا واجب ہے، ان پر عمل کرنا بندوں پر فرض کیا۔ جو لوگ اس کی شریعت کے مخالف ہیں، اُن کے ساتھ قتال کو واجب قرار دیا، ان کے خون، ان کی اولاد، ان کی عورتوں اور ان کے مالوں کو حلال قرار دیا۔ تو اگر ان تمام اعمال کا حساب کتاب ہی نہ ہو اور نہ ان کے مطابق جزا و سزا دی جائے تو یہ تمام احکام بے کار اور مہمل قرار پاتے حالانکہ تمام جہانوں کا پروردگار تو ہر عبث چیز سے منزہ ہے، چنانچہ اس حقیقت کی طرف اللہ تعالیٰ نے یوں اشارہ فرمایا ہے:

(۱) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب إذا هم العبد بحسنة كتبت وإذا هم بسيرة لم يكتب، حدیث نمبر:

﴿فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ ﴿٦﴾ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِم بِعِلْمٍ وَمَا كُنَّا غَائِبِينَ ﴿٧﴾﴾

”پھر ہم ان لوگوں سے ضرور پوچھیں گے جن کے پاس پیغمبر بھیجے گئے تھے اور ہم پیغمبروں سے بھی ضرور پوچھیں گے۔ پھر یقیناً ہم اپنے علم سے (ان کے حالات) ان کے روبرو بیان کر دیں گے۔ اور ہم کچھ بے خبر نہ تھے۔“ [سورہ اعراف: ۶-۷]۔

سوم: جنت اور جہنم پر ایمان لانا، یعنی یہ دونوں مخلوق کے ابدی ٹھکانے ہیں۔

سو جنت نعمتوں کا گھر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تقویٰ اختیار کرنے والے ان مومنوں کے لیے بنایا ہے جو ان چیزوں پر ایمان لائے جن پر ایمان لانا اللہ تعالیٰ نے ان پر واجب ٹھہرایا، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کی، اور اللہ تعالیٰ کے لیے مخلص اور اس کے رسول کے پیروکار ٹھہرے۔ ان کے لیے جنت میں طرح طرح کی نعمتیں ہیں۔ ایک حدیث میں ہے: ”جسے نہ تو کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل میں اس کا خیال تک

گزر۔“^(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ ءَامَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ
الْبَرِيَّةِ ﴿۷﴾ جَزَاؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ
رَبَّهُ ﴿۸﴾﴾

”بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے یہ لوگ بہترین خلائق
ہیں۔ ان کا بدلہ ان کے رب کے ہاں بیشکلی والی جنت ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ
رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہو اور وہ اس سے
راضی ہوئے۔ یہ اس کے لیے ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرے۔“ [سورہ
بینہ: ۷-۸]۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا
يَعْمَلُونَ ﴿۱۷﴾﴾

(۱) صحیح بخاری: کتاب التفسیر، باب قوہ: ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِّن قُرَّةِ
أَعْيُنٍ﴾ حدیث نمبر: ۴۵۰۱، صحیح مسلم: کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا وأهلھا، حدیث نمبر:

”کوئی نفس نہیں جانتا جو کچھ ہم نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ان کے لیے پوشیدہ کر رکھی ہے، جو کچھ وہ کرتے تھے یہ اس کا بدلہ ہے۔“ [سورہ سجدہ: ۱۷]۔

”جہنم“ عذاب کا گھر ہے، اسے اللہ تعالیٰ نے ان ظالم کافروں کے لیے بنایا ہے جنہوں نے اس کے ساتھ کفر کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی۔ جہنم میں طرح طرح کا عذاب اور سامان عبرت ہے، کوئی دل ان ہولناکیوں کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَأْتَقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿۱۲۱﴾﴾

”اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔“ [سورہ آل عمران: ۱۳۱]۔ ایک جگہ یوں فرمایا:

﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ ۗ إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۚ وَإِنْ يَسْتَعِينُوا يَعْثُبُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهَ ۚ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَاءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۱۲۹﴾﴾

”اور اعلان کر دے کہ یہ سراسر برحق قرآن تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔ ظالموں کے لیے ہم

نے وہ آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناتیں انھیں گھیر لیں گی۔ اگر وہ فریاد رسی چاہیں گے تو ان کی فریاد رسی اس پانی سے کی جائے گی جو تیل کی تلچھٹ جیسا ہو گا جو چہرے بھون دے گا، بڑا ہی برا پانی ہے اور بڑی بری آرام گاہ، یعنی دوزخ ہے۔“ [سورہ کھف: ۲۹]۔ ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(إِنَّ اللَّهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ﴿٦٤﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا لَا يَجْدُوْنَ وٰلِيًّا وَلَا نَصِيْرًا ﴿٦٥﴾ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَا اَطَعْنَا اللَّهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلًا ﴿٦٦﴾)

”اللہ نے کافروں پر لعنت کی ہے اور ان کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے، جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ وہ کوئی حامی و مددگار نہ پائیں گے۔ اس دن ان کے چہرے آگ میں الٹ پلٹ کئے جائیں گے۔ (حسرت و افسوس سے) کہیں گے کہ کاش! ہم اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے۔“ [سورہ احزاب: ۶۳-۶۶]۔

یومِ آخرت پر ایمان کے ثمرات:

اول: اس دن کے اجر و ثواب کی امید و طلب میں اطاعت و فرمانبرداری کی رغبت اور اس کی حرص۔

دوم: اس دن کے عذاب سے بچنے کے لیے نافرمانی سے بے تعلقی اور بے زاری۔

سوم: آخرت کی نعمتوں اور ثواب کی امید پر مومنوں کے لیے دنیاوی نعمتوں سے محرومی پر تسلی۔

کافروں نے موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار کیا، ان کا خیال ہے کہ موت کے بعد دوبارہ زندہ کیا جانا ممکن ہے۔ لیکن ان کا یہ گمان قطعاً باطل ہے، شریعت، حس اور عقل اس کے بطلان پر دلالت کرتی ہیں۔

شرعی نصوص سے منکرینِ بعثت کا رد: اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿رَزَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ لَنْ يُبْعَثُوا قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَسُبْعَشْرٌ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۗ وَذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿٧﴾﴾

”ان کافروں نے خیال کیا ہے کہ دوبارہ زندہ نہ کیے جائیں گے۔ آپ کہہ دیجیے کہ کیوں نہیں اللہ کی قسم! تم ضرور دوبارہ اٹھائے جاؤ گے، پھر جو تم نے کیا ہے اس کی خبر دیے جاؤ گے اور اللہ پر یہ بالکل ہی آسان ہے۔“ [سورہ تغابن: ۷]۔ نیز تمام آسمانی کتابیں اس امر پر متفق ہیں۔

حسی دلیل سے منکرینِ بعثت کا رد: اللہ تعالیٰ نے اسی دنیا میں مردوں کو

دوبارہ زندہ کر کے اپنے بندوں کو اس چیز کا مشاہدہ کروادیا ہے، چنانچہ سورۃ البقرہ میں اس کی پانچ مثالیں مذکور ہیں، جو کہ درج ذیل ہیں:

پہلی مثال: قوم موسیٰ نے جب ان سے کہا کہ اے موسیٰ!

{...لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ نَرَىٰ اللَّهَ جَهْرَةً...}

”--- جب تک ہم اپنے رب کو سامنے نہ دیکھ لیں ہر گز ایمان نہ لائیں گے۔۔۔“ [سورۃ بقرہ: ۵۵] چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مار ڈالا، پھر ان کو دوبارہ زندگی بخشی۔ چنانچہ اسی واقعہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

{وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ نَرَىٰ اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْكُمُ الصَّلِيعَةُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿۵۵﴾ ثُمَّ بَعَثْنَاكُم مِّنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۵۶﴾}

”اور (تم یاد کرو) جب تم نے موسیٰ سے کہا تھا کہ جب تک ہم اپنے رب کو سامنے نہ دیکھ لیں ہر گز ایمان نہ لائیں گے (جس گستاخی کی سزا میں) تم پر تمہارے دیکھتے ہوئے بجلی گری۔ پھر اس لیے کہ تم شکر گزاری کرو، اس موت کے بعد بھی ہم نے تمہیں زندہ کر دیا۔“ [سورۃ بقرہ: ۵۵-۵۶]۔

دوسری مثال: اس ”مقتول“ کی ہے جس کے ناحق مارے جانے کی ذمہ داری بنی اسرائیل میں سے کسی نے قبول نہ کی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انھیں گائے ذبح کرنے اور اس کے ایک ٹکڑے کو میت پر مارنے کا حکم دیا تاکہ وہ انھیں اپنے قاتل کی خبر دے۔ اس قصہ کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے:

﴿وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادَّارَأْتُمْ فِيهَا وَاللَّهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿٧٢﴾ فَقُلْنَا أَضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا كَذَلِكَ يُحْيِي اللَّهُ الْمَوْتَى وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٧٣﴾﴾

”جب تم نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا، پھر اس میں اختلاف کرنے لگے اور جو کچھ تم چھپاتے تھے اللہ اس کو ظاہر کرنے والا تھا۔ ہم نے کہا کہ اس گائے کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم پر لگا دو، (وہ جی اٹھے گا) اسی طرح اللہ مردوں کو زندہ کر کے تمہیں تمہاری عقل مندی کے لیے اپنی نشانیاں دکھاتا ہے۔“ [سورہ بقرہ: ۷۲-۷۳]۔

تیسری مثال: اس قصے کی ہے جس میں بنی اسرائیل کی کئی ہزار افراد پر مشتمل ایک قوم موت کے خوف سے اپنی بستیوں کو چھوڑ کر بھاگ کھڑی ہوئی تھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے (ان پر یہ واضح کرنے کے لیے کہ موت سے کسی کو

فرار حاصل نہیں ہے) ان سب کو موت کی نیند سلا دیا، پھر ان کو زندہ فرمایا۔
اس واقعہ کا تذکرہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے:

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ
فَقَالَ لَهُمْ اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ
وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿٢١٢﴾﴾

”کیا تم نے انھیں نہیں دیکھا جو ہزاروں کی تعداد میں تھے اور موت کے ڈر
کے مارے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے، اللہ نے انھیں فرمایا:
مر جاؤ، پھر انھیں زندہ کر دیا، بے شک اللہ لوگوں پر بڑے فضل والا ہے، لیکن
اکثر لوگ ناشکرے ہیں۔“ [سورہ بقرہ: ۲۱۲]۔

چوتھی مثال: اس قصے کی ہے جس میں ایک شخص کا گزر کسی ویران اور تباہ
شدہ بستی سے ہوا، بستی کی حالت دیکھ کر اسے یہ حیرت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اس
بستی والوں کو (روز قیامت) کس طرح زندہ فرمائے گا؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس
کی روح بھی قبض کر لی اور اسے سو سال تک مردہ رکھا، پھر اس کو زندہ فرمایا۔
قرآن کریم میں اس واقعہ کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے:

﴿أَو كَالَّذِي مَرَّ عَلَى قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّى

يُحْيِي هَذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ قَالَ
 كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَلْ لَبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ
 فَانظُرْ إِلَى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ وَانظُرْ إِلَى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ
 آيَةً لِلنَّاسِ وَانظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا
 فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٥٩﴾

”یا اس شخص کے مانند کہ جس کا گزر اس بستی پر ہوا جو چھت کے بل
 اوندھی پڑی ہوئی تھی، وہ کہنے لگا: اس کی موت کے بعد اللہ تعالیٰ اسے کس
 طرح زندہ کرے گا؟ تو اللہ تعالیٰ نے اسے مار دیا سو سال کے لیے، پھر اسے
 اٹھایا، پوچھا کتنی مدت تجھ پر گزری؟ کہنے لگا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ، فرمایا بلکہ
 تو سو سال تک رہا، اب تو اپنے کھانے پینے کو دیکھ کہ بالکل خراب نہیں ہو اور
 اپنے گدھے کو بھی دیکھ، ہم تجھے لوگوں کے لیے ایک نشانی بناتے ہیں تو دیکھ کہ
 ہم ہڈیوں کو کس طرح اٹھاتے ہیں، پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں، جب یہ
 سب ظاہر ہو چکا تو کہنے لگا: میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔“
 [سورہ بقرہ: ۲۵۹]

پانچویں مثال: حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے اس قصہ کی ہے
 جس میں انھوں نے اللہ تعالیٰ سے مردوں کو زندہ کرنے کی قدرت کا مشاہدہ

کرنے کی درخواست کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے انھیں چار پرندوں کو ذبح کر کے ان کے جسم کے ٹکڑے (آپس میں ملا کر) آس پاس کے پہاڑوں پر منتشر کر دینے اور پھر ان کو آواز دینے کا حکم دیا، چنانچہ تمام ٹکڑے ایک دوسرے سے جڑ کر دوڑتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آگئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کا تذکرہ قرآن کریم میں ان الفاظ میں فرمایا ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ ۗ قَالَ أُولَٰئِكَ تُؤْمِنُ ۖ
 قَالَ بَلَىٰ ۗ وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي ۗ قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ
 إِلَيْكَ ثُمَّ أَجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ أَدْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا
 وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۲۶﴾﴾

”اور جب ابراہیم نے کہا کہ اے میرے پروردگار! مجھے دکھا تو مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا؟ (جناب باری تعالیٰ نے) فرمایا: کیا تمہیں ایمان نہیں؟ جواب دیا: ایمان تو ہے لیکن میرے دل کی تسکین ہو جائے گی، فرمایا: چار پرندے لو، ان کے ٹکڑے کر ڈالو، پھر ہر پہاڑ پر ان کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دو، پھر انھیں پکارو، وہ تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آجائیں گے اور جان رکھو کہ اللہ غالب ہے حکمتوں والا ہے۔“ [سورۃ بقرہ: ۲۶۰]۔

یہ چند ایسی حسی اور حقیقی مثالیں ہیں جو مردوں کے دوبارہ زندہ کیے جانے پر واضح طور پر دلالت کرتی ہیں۔ ان واقعات سے پہلے ہم اللہ تعالیٰ کی جانب سے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو عطا کردہ نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی (یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرنے اور انھیں قبروں سے نکالنے) کی طرف بھی اشارہ کر چکے ہیں۔

عقلی دلائل دو قسم کے ہیں:

اول: بے شک اللہ تعالیٰ نے آسمانوں وزمین اور جو کچھ ان میں ہے، سب کو پہلی بار (یعنی بغیر کسی سابقہ مثال کے) پیدا کیا۔ ظاہر ہے کہ جو ہستی مخلوق کو پہلی مرتبہ پیدا کرنے پر قادر ہو، وہ اس کو دوبارہ زندہ کرنے سے عاجز نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ...﴾

”اور وہی ہے جو اول بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے، پھر اسے دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ تو اس پر بہت ہی آسان ہے۔۔۔“ [سورہ روم: ۲۷]۔ نیز فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿... كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ وَعَدَّا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ﴾

”... جیسے کہ ہم نے اول دفعہ پیدائش کی تھی اسی طرح دوبارہ کریں گے۔
 یہ ہمارے ذمے وعدہ ہے اور ہم اسے ضرور کر کے (ہی) رہیں گے۔“ [سورہ
 انبیاء: ۱۰۴]۔ جن لوگوں نے بوسیدہ اور گلی سڑی ہڈیوں کے دوبارہ زندہ ہونے
 کا انکار کیا تھا ان کا رد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ﴿۷۹﴾﴾

”آپ جواب دیجیے کہ انھیں وہ زندہ کرے گا جس نے انھیں اول مرتبہ
 پیدا کیا ہے، اور وہ سب طرح کی پیدائش کا بخوبی جاننے والا ہے۔“ [سورہ یس:

۷۹]۔

دوم: زمین سخت بنجر اور مردار ہوتی ہے جس میں کوئی ہرا بھرا درخت
 نہیں ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ اس پر بارش برساتا ہے تو اس پر خوش و خرم اور
 شادماں جوڑوں کی شکل میں سبزہ لہلہا اٹھتا ہے۔ تو جو بنجر ہونے کے بعد اس
 زمین کو زندہ کرنے پر قادر ہے وہ مردوں کو دوبارہ زندگی بخشنے پر بھی قدرت
 رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ تَرَى الْأَرْضَ خَاشِعَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ
 اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ إِنَّ الَّذِي أَحْيَاهَا لَمُحْيِي الْمَوْتَى إِنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

”اُس اللہ کی نشانیوں میں سے (یہ بھی) ہے کہ تو زمین کو دبی دبائی دیکھتا ہے، پھر جب ہم اُس پر مینہ برساتے ہیں تو وہ تروتازہ ہو کر اُبھرنے لگتی ہے۔ جس نے اسے زندہ کیا وہی یقینی طور پر مُردوں کو بھی زندہ کرنے والا ہے، بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔“ [سورہ فصلت: ۳۹]۔ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبْرَكًا فَأَنْبَتْنَا بِهِ جَنَّاتٍ وَحَبَّ
الْحَصِيدِ ﴿٩﴾ وَالنَّخْلَ بَاسِقَاتٍ لَهَا طَلْعٌ نَضِيدٌ ﴿١٠﴾ رِزْقًا لِلْعِبَادِ
وَأَحْيَيْنَا بِهِ بَلَدَةً مَيِّتًا كَذَلِكَ الْخُرُوجُ ﴿١١﴾﴾

”اور ہم نے آسمان سے بابرکت پانی برسایا اور اُس سے باغات اور کٹنے والے کھیت کے غلے پیدا کیے۔ اور کھجوروں کے بلند و بالا درخت جن کے خوشے تہ بہ تہ ہیں۔ بندوں کی روزی کے لیے اور ہم نے پانی سے مردہ شہر کو زندہ کر دیا۔ اسی طرح (قبروں سے) نکلنا ہے۔“ [سورہ نوح: ۹-۱۱]۔

موت کے بعد پیش آنے والی تمام کیفیات پر ایمان لانا یومِ آخرت پر ایمان لانے میں شامل ہے، مثلاً:

(۱) قننہ قبر: یعنی تدفین کے بعد میت سے اس کے رب، اس کے دین اور اس کے نبی کے متعلق سوال کیا جائے گا، تو اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ صحیح اور مضبوط بات کے ساتھ ثابت قدم رکھے گا، چنانچہ فوت ہونے والا جواب دے گا: ”میرا رب اللہ ہے، میرا دین اسلام ہے اور محمد ﷺ میرے نبی ہیں۔“ اس کے برعکس ظالموں کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے گا، چنانچہ کافر کہے گا: ”افسوس ہائے افسوس! میں کچھ نہیں جانتا۔“ اور منافق یا دین میں شک کرنے والا کہے گا: ”میں نہیں جانتا، میں نے لوگوں کو کچھ کہتے ہوئے سنا تو میں نے بھی کہہ دیا۔“

قبر کا عذاب اور اس کی نعمتیں: ظالموں یعنی منافقین اور کافروں کے لیے ”عذابِ قبر“ مقرر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿...وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُوٓآ
 أَيْدِيهِمْ أَخْرَجُوا أَنفُسَهُمْ ۖ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ
 تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ آيَاتِهِ تَسْتَكْبِرُونَ﴾

”... اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جب کہ یہ ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے کہ ہاں اپنی جانیں نکالو۔“

آج تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی، اس سبب سے کہ تم اللہ کے ذمہ جھوٹی باتیں لگاتے تھے، اور تم اللہ کی آیات سے تکبر کرتے تھے۔“ [سورہ انعام: ۹۳]۔

آلِ فرعون کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الْتَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿٤٦﴾﴾

”آگ ہے جس کے سامنے یہ ہر صبح شام لائے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی (فرمان ہو گا کہ) فرعونوں کو سخت ترین عذاب میں ڈالو۔“ [سورہ غافر: ۴۶]۔

صحیح مسلم میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”اگر میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں کہ تمہیں عذابِ قبر میں سے وہ سنا دے جو کہ میں نے سنا ہے تو تم (ایک دوسرے کو) ہر گز دفن نہ کرو گے۔“ پھر آپ نے اپنا رخ پھیر کر فرمایا: ”عذابِ جہنم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو۔“ صحابہ نے کہا: ہم جہنم کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”عذابِ قبر سے اللہ کی پناہ مانگو۔“ صحابہ نے کہا: ہم قبر کے

عذاب سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم ظاہری اور باطنی تمام آزمائشوں سے اللہ کی پناہ مانگو۔“ صحابہ نے کہا: ہم ظاہری اور باطنی تمام فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”دجال کے فتنہ سے اللہ کی پناہ مانگو۔“ صحابہ نے کہا: ہم دجال کے فتنہ سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔^(۱)

جہاں تک ”قبر کی نعمتوں“ کا تعلق ہے تو یہ صرف سچے مومنوں کے لیے مقرر ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

(إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَمُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ﴿۳۰﴾)

”(واقعی) جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر اسی پر قائم رہے۔ ان کے پاس فرشتے (یہ کہتے ہوئے) آتے ہیں کہ تم کچھ بھی اندیشہ اور غم نہ کرو (بلکہ) اُس جنت کی بشارت سن لو جس کا تم وعدہ دیے گئے ہو۔“

[سورہ فضلت: ۳۰]۔

ایک اور جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱) صحیح مسلم: کتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها، باب عرض مقعد الميت من الجنة أو النار عليه وإثبات عذاب القبر والتعويض منه، حديث نمبر: ۲۸۶۷۔

(فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلُقُومَ ﴿٨٣﴾ وَأَنْتُمْ حِينِيذٍ تَنْظُرُونَ ﴿٨٤﴾ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلَكِنْ لَا تُبْصِرُونَ ﴿٨٥﴾ فَلَوْلَا إِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ ﴿٨٦﴾ تَرْجِعُونَهَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٨٧﴾ فَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿٨٨﴾ فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ وَجَنَّتِ نَعِيمٍ ﴿٨٩﴾)

”پس جب کہ روح نرخرے تک پہنچ جائے اور تم اُس وقت دیکھ رہے ہوتے ہو۔ ہم اُس شخص سے بہ نسبت تمہارے بہت زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ لیکن تم نہیں دیکھ سکتے۔ پس اگر تم کسی کے زیر فرمان نہیں اور اس قول میں سچے ہو تو (ذرا) اُس روح کو تو لوٹاؤ۔ پس جو کوئی بارگاہِ الہی سے قریب کیا ہوا ہوگا۔ اُسے تو راحت ہے اور غذائیں ہیں اور آرام والی جنت ہے۔“ [سورہ

واقعة: ۸۳-۸۹]۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے مومن کے متعلق فرمایا کہ جب وہ اپنی قبر میں فرشتوں کے سوالات کا جواب دے چکے گا: ”تو آسمان سے ایک پکارنے والا پکارے گا کہ سچ کہا میرے بندے نے، لہذا اس کے لیے جنت کا فرش بچھاؤ، اسے جنت کا لباس پہناؤ، اور اس کے لیے جنت کی طرف دروازہ کھول دو، چنانچہ اس کے

پاس جنت کی ہو اور خوشبو آنے لگے گی اور اس کی قبر جہاں تک نگاہ جائے گی (وہاں تک) کشادہ کر دی جائے گی۔“ اسے امام احمد اور ابو داؤد نے ایک طویل حدیث میں روایت کیا ہے۔^(۱)

بدنیت اور منحرف لوگوں کا ایک گروہ گمراہی کا شکار ہوا۔ چنانچہ انھوں نے اس زعم میں قبر کے عذاب اور اس کی راحتوں کا انکار کیا کہ یہ ایک خلاف واقعہ اور ناممکن امر ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر قبر کھول کر مُردے کی حالت دیکھی جائے تو وہ اسی حالت میں پایا جاتا ہے جس میں وہ دفن کیا گیا تھا، نیز قبر میں کشادگی یا تنگی جیسی کوئی تبدیلی دیکھنے میں نہیں آتی۔

یہ گمان شریعت، حس اور عقل کی رو سے باطل ہے۔

شریعت کی رو سے اس کا رد: ”عذاب قبر اور اس کی نعمتوں“ پر دلالت کرنے والے شرعی دلائل کا ذکر ہو چکا ہے۔

اور صحیح بخاری میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: ”نبی ﷺ مدینہ منورہ کے کسی باغ سے نکلے، تو آپ نے دو انسانوں کی آوازیں سنیں جن کو ان کی قبروں میں عذاب دیا جا رہا تھا۔“ پھر پوری حدیث ذکر کی، جس میں آیا ہے: ”ان

(۱) ابو داؤد، کتاب السنۃ، باب المسأۃ فی القبر و عذاب القبر، حدیث نمبر: ۴۷۵۳، احمد، مسند الکوفیین، حدیث نمبر: ۱۸۵۳۴، راوی: براء بن عازب رضی اللہ عنہ۔

میں سے ایک تو پیشاب کرتے وقت چھینٹوں سے پرہیز نہیں کرتا تھا۔“ ایک دوسری روایت میں ہے: ”اپنے پیشاب سے“، ”اور دوسرا شخص چغل خور تھا۔“ صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے: ”پیشاب سے بچنے کا اہتمام نہیں کرتا تھا“^(۱)۔

حسی اعتبار سے اس کا رد: سونے والا شخص کبھی خواب میں دیکھتا ہے کہ وہ بہت وسیع، پر فضا اور خوش کن مقام پر ہے اور وہاں طرح طرح کی نعمتوں اور راحتوں سے لطف اندوز ہو رہا ہے (تو وہ اپنے اندر فرحت و شادمانی محسوس کرتا ہے) اور اگر وہ یہ دیکھتا ہے کہ وہ وحشت ناک اور تنگ و تاریک جگہ پر ہے اور اس سے تکلیف محسوس کر رہا ہے (تو وہ غمگین اور رنجیدہ ہو جاتا ہے۔) کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ خواب دیکھنے والا شخص اپنے خواب سے چونک کر بیدار ہو جاتا ہے، حالانکہ وہ اپنے گھر کے کمرے میں اپنے ہی بستر پر لیٹا ہوتا ہے، اور نیند تو موت کی بہن ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کا نام "وفات" رکھا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا
فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَىٰ إِلَىٰ أَجَلٍ
مُّسَمًّى...﴾

”اللہ ہی رُوحوں کو ان کی موت کے وقت اور جن کی موت نہیں آئی،

(۱) صحیح بخاری: کتاب الوضوء، باب ماجاء فی غسل البول، حدیث نمبر: ۲۱۵۔

انھیں ان کی نیند کے وقت قبض کر لیتا ہے، پھر جن پر موت کا حکم لگ چکا ہے۔ انھیں تو روک لیتا ہے اور دوسری (روحوں) کو ایک مقرر وقت تک کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔۔۔“ [سورہ زمر: ۴۲]۔

عقلی اعتبار سے اس کا رد: سونے والا کبھی اپنے خواب میں واقع کے مطابق سچے خواب بھی دیکھتا ہے اور کبھی اصلی شکل و صورت میں نبی ﷺ کی زیارت بھی کر لیتا ہے، اور جس نے رسول اللہ ﷺ کو آپ کے اوصاف کے مطابق دیکھا بلاشبہ اس نے آپ ہی کو دیکھا، حالانکہ سونے والا جسے خواب میں دیکھتا ہے، اس سے بہت دور اپنے کمرے کے بستر پر موخواب ہوتا ہے۔ اگر یہ تمام چیزیں دنیاوی حالات میں ممکن ہیں تو احوال آخرت میں کیسے ناممکن ہو سکتی ہیں؟

جہاں تک ان کے اپنے اس دعوے پر اعتماد کا تعلق ہے کہ اگر قبر کو کھول کر مردے کی حالت کو دیکھا جائے تو وہ اسی حالت میں نظر آتا ہے جس میں وہ دفن کیا گیا تھا، نیز قبر میں کسی قسم کی کشادگی یا تنگی بھی نظر نہیں آتی، تو اس کا جواب کئی ایک طرح سے دیا جاسکتا ہے:

اول: شریعت میں جو کچھ وارد ہوا ہے اس کا اس طرح کے باطل اور گمراہ

کن شہادت کے ذریعہ مقابلہ کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ ان شہادت کے ذریعہ شریعت پر اعتراض کرنے والا شخص اگر شریعت میں وارد نصوص و دلائل میں کما حقہ غور و فکر کرے تو اس پر ان شہادت کا بطلان واضح ہو جائے گا۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے (جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے):

کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جو اپنے بیمار فہم و ادراک کی وجہ سے صحیح باتوں میں طعن و تشنیع اور عیب جوئی کرتے ہیں۔

دوم: عالم برزخ کے احوال کا تعلق غیبی امور سے ہے، حس سے ان کا ادراک ممکن نہیں۔ اگر حس کے ذریعے سے ان کی حقیقت کا جاننا ممکن ہوتا تو ”ایمان بالغیب“ کا سرے سے کوئی فائدہ ہی باقی نہیں رہتا بلکہ اس طرح تو غیب پر ایمان لانے والے اور اس کا انکار کرنے والے، دونوں ہی برابر ہو جاتے۔

سوم: قبر میں عذاب و راحت یا کشادگی و تنگی کی کیفیات صرف میت ہی محسوس کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی دوسرا شخص ان کیفیات کا ادراک نہیں کر سکتا۔ اس کی مثال بالکل اس شخص کے خواب کی سی ہے جو نیند کی حالت میں کوئی بے حد تنگ و تاریک اور وحشت ناک مقام، یا نہایت دل فریب اور کشادہ جگہ دیکھتا ہے، (اور خواب کے احوال کے مطابق غمگین یا خوش ہوتا ہے) لیکن

اس کے برعکس اس کے آس پاس کا ہر شخص ان تمام تر کیفیات سے پر بے خبر رہتا ہے۔ اس کی ایک اور واضح مثال یہ بھی ہے کہ نبی ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوتی تھی اور آپ اپنے صحابہ کے درمیان موجود ہوا کرتے تھے لیکن وحی کو صرف آپ ﷺ ہی سن پاتے تھے جب کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وہ وحی سنائی ہی نہیں دیتی تھی۔ کبھی تو فرشتہ انسانی شکل میں حاضر ہو کر آپ ﷺ سے گفتگو بھی کرتا تھا لیکن صحابہ کرام نہ اس فرشتے کو دیکھ پاتے تھے اور نہ ہی اس کی باتیں سن پاتے تھے۔

چہارم: مخلوق کی قوتِ ادراک محدود ہے۔ چنانچہ انسان صرف اسی قدر کسی چیز کی حقیقت کو پاسکتا ہے جس قدر کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں قوتِ ادراک ودیعت فرمائی ہے۔ اس کے لیے ہر موجود شے کی حقیقت کو پانا ناممکن ہے۔ مثلاً ساتوں آسمان، زمین اور جو جو چیزیں ان میں موجود ہیں وہ سب حقیقی طور پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کی تعریف بیان کرتی ہیں، اور کبھی کبھار اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا ہے ان کی تسبیح و تحمید سنا دیتا ہے، اس کے باوجود یہ سب کچھ ہماری نظروں سے پوشیدہ ہے۔ اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا ہے:

(تَسْبِحُ لَهُ السَّمَوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ...)

”ساتوں آسمان اور زمین اور جو بھی ان میں ہے اسی کی تسبیح کر رہے ہیں۔ ایسی کوئی چیز نہیں جو اسے پاکیزگی اور تعریف کے ساتھ یاد نہ کرتی ہو۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ تم ان کی تسبیح سمجھ نہیں سکتے۔۔۔۔“ [سورہ اسراء: ۴۴]۔

اسی طرح شیاطین و جن زمین پر ادھر ادھر چلتے پھرتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ جنوں کی ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوئی، خاموشی سے آپ کی قراءت سنی اور مبلغ کی حیثیت سے اپنی قوم کی طرف لوٹ گئی اور وہ جماعت ان تمام چیزوں کے باوجود ہم سے پوشیدہ تھی، اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(يَبْنِيْءَ آدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَا اَخْرَجَ اٰبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْءَٰتِهِمَا ۗ اِنَّهٗ وَّيَرٰكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۗ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيْطٰنِ اَوْلِيَاءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾)

”اے اولاد آدم! شیطان تم کو کسی خرابی میں نہ ڈال دے جیسا کہ اُس نے

تمہارے ماں باپ کو جنت سے باہر کر دیا ایسی حالت میں کہ اُن کا لباس بھی اتر وادیا تاکہ وہ ان کو ان کی شرم گاہیں دکھائے۔ وہ اور اس کا لشکر تم کو ایسے طور پر دیکھتا ہے کہ تم ان کو نہیں دیکھ سکتے۔ ہم نے شیطانوں کو اُن ہی لوگوں کا رفیق بنایا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔“ [سورہ اعراف: ۲۷]۔ چنانچہ جب مخلوق ہر موجود شے کی اصل حقیقت کو نہیں سمجھ سکتی تو اس کے لیے غیب کے ثابت شدہ اور ناقابلِ ادراک امور کا انکار کرنا بالکل جائز نہیں ہے۔

تقدیر پر ایمان

”قدر“ (دال کے فتح کے ساتھ): تقدیر سے مراد اللہ تعالیٰ کا اپنے علم اور حکمت کے مطابق ساری کائنات کا ان کے وجود سے پہلے اندازہ اور فیصلہ کرنا ہے۔

تقدیر پر ایمان چار امور پر مشتمل ہے:

اول: اس بات پر ایمان کہ اللہ تعالیٰ ازل سے ابد تک ہر چیز سے اجمالا اور تفصیلاً واقف ہے، چاہے اس کا تعلق خود اپنے افعال سے ہو، یا اپنے بندوں کے افعال و اعمال سے۔

دوم: اس بات پر ایمان کہ اللہ تعالیٰ نے سب کچھ لوح محفوظ (یعنی نوشتہ تقدیر) میں لکھ رکھا ہے۔ انھی دو امور کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

(أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّ ذَلِكَ فِي كِتَابٍ إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿٧٠﴾)

”کیا آپ نے نہیں جانا کہ آسمان وزمین کی ہر چیز اللہ کے علم میں ہے۔ یہ سب (لکھی ہوئی) کتاب میں (محفوظ) ہے۔ اللہ پر تو یہ امر بالکل آسان ہے۔“
[سورہ حج: ۷۰]۔

صحیح مسلم میں عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ”اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی تقدیریں آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے ہی لکھ دی تھیں۔“^(۱)

سوم: اس بات پر ایمان کہ پوری کائنات صرف اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی سے وقوع پزیر ہے، خواہ اس کا تعلق خود باری تعالیٰ کے اپنے فعل سے ہو یا مخلوقات کے افعال و اعمال سے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فعل کے متعلق فرماتا ہے:

(۱) صحیح مسلم، کتاب القدر، باب حجاج آدم و موسیٰ علیہما السلام، حدیث نمبر: ۲۶۵۳۔

﴿وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ...﴾

”اور آپ کا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور چن کر مختار کر لیتا ہے...“

[سورہ قصص: ۶۸]۔ ایک مقام پر یوں ارشاد ہوا:

﴿...وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ﴾

”۔۔ اور اللہ جو چاہے کر گزرے۔“ [سورہ ابراہیم: ۲۷]۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ...﴾

”وہ ماں کے پیٹ میں تمہاری صورتیں جس طرح چاہتا ہے بناتا ہے۔۔۔“

[سورہ آل عمران: ۶]۔

مخلوقات کے افعال و اعمال کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿...وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَاتَلُوكُمْ...﴾

”... اور اگر اللہ چاہتا تو انہیں تم پر مسلط کر دیتا اور وہ تم سے یقیناً جنگ

کرتے...“ [سورہ نساء: ۹۰]۔ نیز فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿...وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ﴾

”۔۔۔ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ ایسے کام نہ کر سکتے سو ان لوگوں کو اور جو کچھ یہ افترا پردازی کر رہے ہیں، اُس کو آپ رہنے دیجیے۔“ [سورہ انعام: ۱۱۲]۔

چہارم: اس بات پر ایمان کہ پوری کائنات بشمول اپنی ذات، صفات اور حرکات سب اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اللَّهُ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ﴿۶۲﴾﴾

”اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز پر نگہبان ہے۔“ [سورہ زمر: ۶۲]۔ ایک اور مقام پر اللہ پاک کا فرمان ہے:

﴿...وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَرَهُ تَقْدِيرًا﴾

”۔۔۔ اور ہر چیز کو اس نے پیدا کر کے ایک مناسب اندازہ ٹھہرا دیا ہے۔“ [سورہ فرقان: ۲]۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ابراہیم علیہ السلام کی بابت فرمایا کہ انھوں نے اپنی قوم سے کہا:

﴿وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ ﴿۶۱﴾﴾

”حالانکہ تمہیں اور تمہاری بنائی ہوئی چیزوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔“

[سورہ صافات: ۹۶]۔

پیچھے ہم نے ”تقدیر پر ایمان“ کا جو وصف بیان کیا ہے وہ بندوں کے اختیاری افعال پر ان کو حاصل شدہ قدرت اور مشیت کے منافی نہیں ہے، کیونکہ شریعت اور حقیقت دونوں ہی بندے کے لیے اس کے ثبوت پر دلالت کرتی ہیں۔

شریعت سے ثبوت: مشیت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

{...فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ مَآبًا}

”--- اب جو چاہے اپنے رب کے پاس (نیک اعمال کر کے) ٹھکانا بنا لے۔“ [سورہ نبا: ۳۹]۔ اور ایک جگہ ارشادِ الہی ہے:

{...فَأَتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ...}

”--- اپنی کھیتیوں میں جس طرح چاہو آؤ...“ [سورہ بقرہ: ۲۲۳]۔ اور مخلوق کی قدرت کے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

{فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَأَسْمِعُوا وَأَطِيعُوا...}

”پس جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو اور سنتے اور مانتے چلے جاؤ...“ [سورہ تغابن: ۱۶]۔ نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا
أَكْتَسَبَتْ...﴾

”اللہ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا، جو نیکی وہ کرے
وہ اس کے لیے اور جو برائی وہ کرے وہ اس پر ہے...“ [سورہ بقرہ: ۲۸۶]۔

امر واقع سے ثبوت: ہر انسان جانتا ہے کہ اسے کچھ نہ کچھ مشیت اور
قدرت ضرور حاصل ہے جس کی وجہ سے کسی کام کو کرنے یا چھوڑنے کا اسے
اختیار ہے، اور وہ کسی فعل کے ”ارادی“ مثلاً چلنے اور ”غیر ارادی“ مثلاً کانپنے،
میں فرق کرتا ہے، لیکن بندے کی مشیت اور قدرت، اللہ تعالیٰ کی مشیت اور
قدرت کے ہی تابع ہوتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لِمَن شَاءَ مِنْكُمْ أَن يَسْتَقِيمَ ﴿۲۸﴾ وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ
رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿۲۹﴾﴾

”بالخصوص) اُس کے لیے جو تم میں سے سیدھی راہ پر چلنا چاہے۔ اور تم
کچھ بھی نہیں چاہ سکتے مگر وہی جو رب العالمین چاہے۔“ [سورہ تکویر: ۲۸-
۲۹]۔ چونکہ پوری کائنات اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ لہذا اس کے دائرہ ملکیت
میں کوئی چیز اس کے علم اور اس کی مشیت کے بغیر رونما نہیں ہو سکتی۔

”تقدیر پر ایمان“ کی جو تعریف ہم نے بیان کی ہے وہ کسی بندے کے لیے
فرائض کو چھوڑنے یا نافرمانی کا ارتکاب کرنے کی دلیل نہیں بن سکتی، چنانچہ
اس سے دلیل پکڑنا کئی اعتبار سے باطل ہے:

اؤل: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا
حَرَمْنَا مِنْ شَيْءٍ كَذَلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا
قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ
أَنْتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ ﴿۱۲۸﴾

”یہ مشرکین (یوں) کہیں گے کہ اگر اللہ کو منظور ہوتا تو نہ ہم شرک
کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کسی چیز کو حرام کہہ سکتے۔ اسی طرح جو
لوگ ان سے پہلے ہو چکے ہیں انہوں نے بھی تکذیب کی تھی یہاں تک کہ
انہوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھا۔ آپ کہہ دیجیے: کیا تمہارے پاس کوئی
دلیل ہے تو اُس کو ہمارے روبرو ظاہر کرو۔ تم لوگ محض خیالی باتوں پر چلتے ہو
اور تم بالکل قیاس آرائی سے باتیں بناتے ہو۔“ [سورہ انعام: ۱۲۸]۔

اگر ”تقدیر“ ان کے لیے حجت ہوتی تو اللہ تعالیٰ کفار و مشرکین کو اپنے

عذاب کا مزانہ چکھاتا۔

دوم: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ
بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿١٦٥﴾﴾

”ہم نے انھیں رسول بنایا ہے، خوشخبریاں سنانے والے اور آگاہ کرنے والے تاکہ لوگوں کی کوئی حجت اور الزام رسولوں کے بھیجنے کے بعد اللہ پر رہ نہ جائے۔ اللہ بڑا غالب اور بڑا باحکمت ہے۔“ [سورہ نساء: ۱۶۵]۔

اسی طرح اگر مخالفین کے لیے ”تقدیر“ دلیل ہوتی تو رسولوں کو بھیج کر ان کی ”حجت“ کو باطل نہ ٹھہرایا جاتا کیونکہ پیغمبروں کو بھیجنے کے بعد اگر کوئی مخالفت واقع ہوئی تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ تقدیر کی بنیاد پر ہی واقع ہوئی۔

سوم: امام بخاری اور امام مسلم نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور یہ الفاظ بخاری کے روایت کردہ ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے ہر شخص کا ٹھکانا اللہ تعالیٰ نے جنت یا جہنم میں لکھ دیا ہے۔“ یہ سن کر صحابہ میں سے ایک شخص نے سوال کیا: یا رسول اللہ! کیا ہم اسی پر بھروسہ نہ

کر لیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں، عمل کرو کیوں کہ ہر ایک کے لیے وہ کام آسان بنا دیا گیا ہے جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے۔“ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

(فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ ﴿٥﴾)

”جس نے دیا (اللہ کی راہ میں) اور ڈرا (اپنے رب سے)۔“ [سورہ لیل:

۵]-

اور صحیح مسلم کے الفاظ یہ ہیں: ”ہر ایک کے لیے وہ کام آسان بنا دیا گیا ہے، جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے۔“^(۱) چنانچہ معلوم ہوا کہ نبی ﷺ نے عمل کرنے کا حکم دیا ہے اور عمل کو چھوڑ کر صرف تقدیر ہی پر بھروسا کرنے سے منع فرمایا ہے۔

چہارم: بے شک اللہ تعالیٰ نے بندے کو اوامر پر عمل کرنے اور نواہی سے اجتناب کرنے کا حکم دیا ہے لیکن اس کو اس کی طاقت سے بڑھ کر کسی چیز کا

(۱) صحیح بخاری: کتاب القدر، باب وكان أمر الله قدرا مقدورا، حدیث نمبر: ۶۶۰۵، صحیح مسلم کتاب القدر، باب كيفية خلق الآدمي في بطن أمه وكتابة رزقه وأجله وعمله وشقاوته وسعادته، حدیث نمبر: ۲۶۴۷۔

”مکلف“ نہیں ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَأَسْمِعُوا وَأَطِيعُوا...}

”پس جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو اور سنتے اور مانتے چلے

جاؤ...“ [سورہ تغابن: ۱۶]۔ اور ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

{لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا...}

”اللہ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا...“ [سورہ بقرہ:

۲۸۶]۔ اگر بندہ کسی فعل کے انجام دہی پر مجبور ہوتا تو وہ ہر اس فعل کو انجام

دینے کا بھی مکلف ہوتا کہ جس سے چھٹکارا پانے کی اس میں استطاعت نہیں

ہے۔ لیکن یہ چیز باطل ہے، لہذا اگر کسی سے لا علمی، بھول چوک اور زور

زبردستی کے سبب کسی معصیت کا کام سرزد ہو جائے تو اس پر کوئی گناہ نہ ہوگا،

کیونکہ وہ معذور ہے۔

پنجم: اللہ تعالیٰ نے ”نوشہ تقدیر“ کو انتہائی پوشیدہ اور صیغہ راز میں رکھا ہے،

چنانچہ جو چیز پہلے سے اندازہ کی جا چکی ہے اس کے رونما ہونے کے بعد ہی اس کا

علم ہوتا ہے۔ لیکن جب بندہ کوئی کام کرتا ہے تو وہ پہلے سے جانتا ہے کہ وہ کس

کام کا ارادہ رکھتا ہے، چنانچہ اس کے فعل کا ارادہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے متعلق

اس کے علم پر مبنی نہیں ہوتا۔ یہ چیز نافرمانی کے کاموں پر تقدیر کو حجت بنانے کی نفی کرتی ہے، کیونکہ جس چیز کا علم ہی نہ ہو وہ کسی امر کے لیے دلیل کیسے بن سکتی ہے؟

ششم: ہم دیکھتے ہیں کہ انسان دنیاوی معاملات میں ہر پسندیدہ اور نفع بخش شے کا حریص ہوتا ہے، اور جب تک وہ اسے پانے لے اس کا متمنی و متلاشی رہتا ہے۔ جب کہ ناپسندیدہ یا بے سود چیزوں کی طرف ہرگز نہیں پلٹتا، پھر اپنی اس روش پر ”تقدیر“ سے دلیل پکڑتا ہے تو سوال یہ ہے کہ دینی امور میں اس کے لیے جو چیزیں نفع بخش ہو سکتی ہیں ان کو چھوڑ کر تکلیف دہ چیزوں کی طرف اس کا پلٹنا اور پھر اس پر ”تقدیر“ سے استدلال کرنا کیوں کر درست ہو سکتا ہے؟ کیا ان دونوں (دینی اور دنیاوی) امور کا معاملہ یکساں نہیں ہے؟

اس چیز کی مزید وضاحت کے لیے ہم یہاں دو مثالیں پیش کرتے ہیں:

مثال (۱): اگر کسی انسان کے سامنے دو راستے ہوں، جس میں سے ایک راستہ کسی ایسے شہر کی طرف نکلتا ہو جہاں بد نظمی، قتل و غارت گری، لوٹ مار، عصمت دری، خوف و ہراس اور بھوک کا رواج ہو، اور دوسرا راستہ کسی ایسے شہر کی طرف جاتا ہو جہاں ہر طرف نظم و ضبط، امن و امان، عیش و آرام، آسودہ

حالی، جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت ہو، تو وہ کون سا راستہ اختیار کرے گا؟

ظاہر ہے کہ وہ دوسرا راستہ ہی اختیار کرے گا جو ایک ایسے شہر پر جا کر ختم ہوتا ہے جہاں چاروں طرف امن و امان اور نظم و ضبط قائم ہو۔ کوئی بھی عقل مند شخص ”تقدیر“ کو حجت بنا کر کسی ایسے شہر کا راستہ ہرگز نہیں اختیار کر سکتا جہاں بد نظمی، خوف و ہراس اور لوٹ مار ہو۔ تو جو شخص اخروی امور میں خود جنت کا راستہ چھوڑ کر جہنم کا راستہ اختیار کرے تو وہ کس طرح ”نوشتہ تقدیر“ کو دلیل بنا سکتا ہے؟

مثال (۲): ہم دیکھتے ہیں کہ جب ڈاکٹر کسی مریض کو دو اپنیے کا حکم دیتا ہے تو وہ اسے نہ چاہنے کے باوجود بھی پی لیتا ہے، اسی طرح جب وہ اسے کسی نقصان دہ غذا کے کھانے سے منع کرتا ہے تو وہ اسے چاہنے کے باوجود وہ غذا چھوڑ دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ مریض اپنی سلامتی اور شفا ہی کے لیے ہی ایسا کرتا ہے، چنانچہ ”نوشتہ تقدیر“ کو دلیل بنا کر ایسا ہرگز نہیں کرتا کہ اس ناپسندیدہ دوا کو پینے سے باز رہے یا ان غذاؤں کو استعمال کرتا رہے جو کہ اس کے لیے نقصان دہ ہیں۔ چنانچہ یہ کیسے درست ہو سکتا ہے کہ انسان اللہ اور اس کے رسول

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے احکام کو چھوڑ کر جن چیزوں سے اللہ اور اس کے رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے منع فرمایا ہے، انہیں اپنائے اور پھر اس پر ”تقدیر“ سے دلیلیں لیتا پھرے؟

ہفتم: ”نوشتہ تقدیر“ کو دلیل بنا کر واجبات کو چھوڑنے، یا معصیت کے کام کرنے والے شخص پر اگر کوئی دوسرا شخص ظلم و زیادتی کرے اور اس کے مال و اسباب چھین لے، یا اس کی عزت کو پامال کرے، اور پھر ”تقدیر“ سے دلیل پکڑتے ہوئے یہ کہے کہ مجھے ملامت مت کرو کیونکہ میرا ظلم و زیادتی تو محض اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر مبنی ہے، تو وہ اس کی اس دلیل کو قطعاً قبول نہیں کرے گا۔ چنانچہ جب وہ ”تقدیر“ کی دلیل کو اپنے اوپر کیے جانے والے کسی دوسرے شخص کے ظلم و زیادتی کے لیے قبول نہیں کرتا، تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق و فرائض میں اپنی کوتاہی اور زیادتی پر کس طرح اسے دلیل بناتا ہے؟!

اس سلسلے میں ایک واقعہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک چور کا مقدمہ پیش ہوا تو عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ اس نے عرض کیا: اے امیر المومنین! ٹھہر جائیے، کیونکہ میں نے یہ چوری صرف اللہ تعالیٰ کی ”قضا و قدر“ کی بنیاد پر کی ہے۔ یہ سن کر عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”ہم بھی تو تیرا ہاتھ اللہ تعالیٰ کی ”قضا

وقدر“ سے ہی کاٹ رہے ہیں۔“

تقدیر پر ایمان کے ثمرات:

اول: کسی ”سبب“ کو اختیار کرتے وقت اس سبب کے بجائے صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا، کیونکہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ”قضا و قدر“ سے ہی ہوتی ہے۔
دوم: کسی مراد کے حصول کے وقت خود پسندی میں مبتلا نہ ہونا، کیونکہ مراد کا حاصل ہونا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نعمت ہے جسے باری تعالیٰ نے خیر و کامیابی کے اسباب کے نتیجے میں مقدر فرمایا ہے، چنانچہ انسان کا خود پسندی میں مبتلا ہونا اسے نعمت کے حاصل ہونے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے سے غافل کر دیتا ہے۔

سوم: اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر کے مطابق جو کچھ بھی انسان پر گزرے اس پر مطمئن اور خوش رہنا، چنانچہ وہ کسی پسندیدہ چیز کے چھن جانے، یا کسی سختی سے دوچار ہونے، یا کسی ناپسندیدہ چیز کے واقع ہونے پر قلق و اضطراب کا شکار نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر ہے جو کہ آسمانوں اور زمین کا مالک اور خالق ہے اور جو کچھ ”مقدر“ ہو چکا ہے وہ بہر صورت ہو کر رہے گا۔ چنانچہ اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّن قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ﴾ ﴿٢٢﴾ لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ﴿٢٣﴾﴾

”نہ کوئی مصیبت دنیا میں آتی ہے نہ (خاص) تمہاری جانوں میں، مگر اس سے پہلے کہ ہم اس کو پیدا کریں وہ ایک خاص کتاب میں لکھی ہوئی ہے، یہ (کام) اللہ تعالیٰ پر (بالکل) آسان ہے۔ تاکہ تم اپنے سے فوت شدہ کسی چیز پر رنجیدہ نہ ہو جایا کرو اور نہ عطا کردہ چیز پر اتر جاؤ، اور اترانے والے شیخی خوروں کو اللہ پسند نہیں فرماتا۔“ [سورہ حدید: ۲۲-۲۳]، نبی ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: ”مومن کا معاملہ کتنا عجیب ہے۔ یقیناً مومن کے ہر معاملہ میں خیر ہی خیر ہے، اور یہ سعادت مومن کے سوا اور کسی کو میسر نہیں ہے۔ چنانچہ اگر اسے کوئی خوش حالی نصیب ہوتی ہے تو اس پر وہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے تو وہ خوش حالی اس کے لیے باعثِ برکت و بھلائی بن جاتی ہے۔ اور اگر وہ کسی بد حالی اور تنگ دستی میں گرفتار ہوتا ہے تو اس پر صبر کرتا ہے تو وہ بد حالی اس کے لیے باعث

خیر و برکت بن جاتی ہے۔“^(۱)

تقدیر کے بارے میں دو گروہ گمراہی کے شکار ہیں:

(۱) جبریہ: جو اس بات کے قائل ہیں کہ بندہ اپنے ہر عمل پر مجبور ہے، اس میں اس کے اپنے ارادہ اور قدرت کا کوئی دخل نہیں۔

(۲) قدریہ: جو اس بات کے قائل ہیں کہ بندہ اپنے ارادے اور قدرت کے ساتھ عمل میں خود مختار ہے اور اس کے عمل میں اللہ تعالیٰ کی مشیت اور قدرت کا کوئی اثر نہیں۔

جبریہ کا نظریہ شریعت اور امر واقع دونوں اعتبار سے مسترد ہے:

شرعی اعتبار سے: اللہ تعالیٰ نے بندے کے لیے ارادے اور مشیت کا اثبات کیا ہے نیز عمل کی نسبت بھی اسی کی طرف کی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿...مِنْكُمْ مَّنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُرِيدُ الْآخِرَةَ...﴾

”... تم میں سے بعض دنیا چاہتے تھے اور بعض کا ارادہ آخرت کا

(۱) صحیح مسلم: کتاب الزهد والرقائق، باب المؤمن آمرہ کلہ خیر، حدیث نمبر: ۲۹۹۹۔

تھا۔۔۔“ [سورہ آل عمران: ۱۵۲]، ایک مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ ۖ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ ۗ
إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا...﴾

”اور اعلان کر دے کہ یہ سراسر برحق قرآن تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔ ظالموں کے لیے ہم نے وہ آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناتیں انہیں گھیر لیں گی۔۔۔“ [سورہ کھف: ۲۹]، اور ایک جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا ۚ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ
لِّلْعَبِيدِ ﴿٤٦﴾﴾

”جو شخص نیک کام کرے گا تو اپنے نفع کے لیے اور جو برا کام کرے گا اس کا وبال بھی اسی پر ہے۔ اور آپ کا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔“ [سورہ فصلت: ۴۶]۔

جبریہ کی تردید امر واقع کی روشنی میں: ہر انسان اپنے ”اختیاری افعال“ جن کو وہ اپنے ارادے سے کرتا ہے، مثلاً: کھانا پینا اور خرید و فروخت کرنا وغیرہ، اور ”غیر اختیاری افعال“ جو اس پر بغیر ارادہ کے واقع ہو جاتے ہیں، مثلاً: بخاری کی

شدت سے اس کے جسم کا کاہنا، اور اوپر سے نیچے کی طرف گرنا، وہ ان دونوں کے درمیان فرق سے خوب اچھی طرح واقف ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ پہلی قسم کے افعال کی بجا آوری میں فاعل اپنے ارادے میں خود مختار ہوتا ہے اور اس پر کسی قسم کا کوئی جبر نہیں ہوتا، لیکن دوسری قسم کے افعال میں کسی کام کے وقوع پذیر ہوتے وقت بندہ نہ مختار ہوتا ہے اور نہ ہی اس میں اس کے ارادے کا کوئی دخل ہوتا ہے۔

قدریہ کا نظریہ شریعت اور عقل دونوں اعتبار سے مردود ہے:

بے شک اللہ تعالیٰ ہر شے کا خالق ہے اور ہر شے اسی کی مشیت سے واقع ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے کہ بندوں کے افعال صرف اسی کی مشیت سے واقع ہوتے ہیں، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿...وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَقْتَلْنَا الَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ وَلَكِنْ اٰخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَنْ ءَامَنَ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَقْتَلُوْا وَلَكِنْ اَللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ﴾

”... اگر اللہ چاہتا تو ان کے بعد والے اپنے پاس دلیلیں آجانے کے بعد ہرگز آپس میں لڑائی بھڑائی نہ کرتے، لیکن ان لوگوں نے اختلاف کیا، ان میں

سے بعض تو مومن ہوئے اور بعض کافر، اور اگر اللہ چاہتا تو یہ آپس میں نہ لڑتے، لیکن اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔“ [سورہ بقرہ: ۲۵۳]، ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدًىٰ وَلَٰكِن حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿۱۳﴾﴾

”اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت نصیب فرمادیتے، لیکن میری یہ ہی بات بالکل حق ہو چکی ہے کہ میں ضرور ضرور جہنم کو انسانوں اور جنوں سب سے پر کر دوں گا۔“ [سورہ سجدہ: ۱۳]۔

قدریہ کی تردید عقل کی روشنی میں: بے شک ساری کائنات اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے، چونکہ انسان بھی اسی کائنات کا ایک حصہ ہے، لہذا وہ بھی اللہ تعالیٰ کا غلام اور اُس کی ملکیت قرار پایا۔ چنانچہ نتیجہ یہ نکلا کہ کسی ”مملوک“ کے لیے مالک کے دائرہ ملکیت میں اس کی مرضی اور اجازت کے بغیر کسی قسم کا تصرف کرنا ممکن ہے۔

اسلامی عقیدے کے اہداف و مقاصد

ہدف: لغت کے اعتبار سے ”ہدف“ کا اطلاق مختلف معانی پر ہوتا ہے جن میں دو حسب ذیل ہیں: ۱. وہ چیز جو سطح زمین سے بلند ہو اور نشانہ بازی کے لیے نصب کی جائے۔ ۲. ہر وہ شے جو مطلوب و مقصود ہو۔

اسلامی عقیدے کے اہداف و مقاصد: اسلامی عقیدے پر قائم رہنے کے نتیجے میں حاصل ہونے والے مہتمم بالشان اغراض و مقاصد کثیر تعداد میں ہونے کے ساتھ ساتھ مختلف اقسام پر مشتمل ہیں جن میں سے چند حسب ذیل ہیں:

اول: نیت و عبادت کو اللہ تعالیٰ کے لیے خاص کرنا، کیونکہ وہی خالق ہے، اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ صرف اسی سے لو لگائی جائے، اور صرف اسی کی عبادت کی جائے۔

دوم: اسلامی عقیدے سے خالی دل میں پیدا ہونے والی ہر قسم کی بے راہ روی سے عقل و فکر کی آزادی، کیونکہ جس کا دل اس سے خالی ہو وہ یا تو ہر عقیدے سے محروم ہوتا ہے اور صرف حسی و مادی چیزوں کی ہی پرستش کرتا ہے یا پھر عقائد کی گمراہیوں اور خرافات کا شکار ہو جاتا ہے۔

سوم: نفسیاتی اور فکری سکون، اسلامی عقیدے کا حامل شخص کسی نفسیاتی اور فکری بے چینی کا شکار نہیں ہوتا، کیونکہ یہ عقیدہ اُس کے اور اس کے خالق حقیقی کے درمیان ایک مضبوط تعلق اور رابطہ ہے۔ چنانچہ وہ اپنے خالق کے رب، مدبر، حاکم اور قانون ساز ہونے پر راضی ہوتا ہے؛ لہذا اس کا دل اپنے رب کی قضا و قدر سے مطمئن ہوتا ہے اور اسے اسلام کی حقانیت کے بارے میں انشراحِ صدر حاصل ہو جاتا ہے، بنا بریں وہ اسلام کا بدل تلاش نہیں کرتا۔

چہارم: اللہ تعالیٰ کی عبادت یا مخلوق کے معاملے میں ارادہ و عمل کے انحراف سے سلامتی اور حفاظت، کیونکہ رسولوں پر ایمان لانا اسلامی عقیدے کی ایک ایسی اساس ہے جو ارادہ و عمل میں انحراف سے محفوظ انبیاء و رسل کے طریقے کی پیروی کو شامل ہے۔

پنجم: جملہ امور میں پختگی، سنجیدگی اور خوش بختی کیونکہ مومن ثواب حاصل کرنے کے لیے عملِ صالح کا کوئی بھی موقع ضائع نہیں کرتا۔ اسی طرح عذاب کے خوف سے وہ اپنے آپ کو گناہ کے مواقع سے بھی دور رکھتا ہے، کیونکہ اس عقیدے کی ایک بنیاد یہ بھی ہے کہ انسان کے دوبارہ زندہ کیے جانے اور ہر اچھے برے اعمال کی جزا پانے پر ایمان لایا جائے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلِكُلِّ دَرَجَتٌ مِّمَّا عَمِلُوا وَمَا رَبُّكَ بِغَفِيلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ﴾ (۱۳۲)

”اور ہر ایک کو اس کے اعمال کے سبب درجے ملیں گے اور آپ کا رب ان کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔“ [سورۃ انعام: ۱۳۲]۔ اس مقصد کے حصول کے لیے نبی ﷺ نے کس قدر ترغیب دی ہے، ملاحظہ کریں: ”اللہ تعالیٰ کے نزدیک مضبوط مومن، کمزور مومن سے زیادہ بہتر اور پیارہ ہے۔ اور ہر مومن میں بہتری اور بھلائی ہے، اس چیز کی حرص کرو جو تجھ کو نفع دے اور (اس کے لیے) اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو، اور عاجز نہ بنو۔ اور اگر تم کو کوئی چیز حاصل ہو تو یوں مت کہو کہ اگر میں نے فلاں کام یوں کیا ہوتا تو اس سے مجھے فلاں فلاں فائدہ حاصل ہوتا بلکہ یوں کہو کہ اللہ تعالیٰ نے (یوں ہی) مقدر کیا تھا اور جو چاہا کر دکھایا۔ کیونکہ ”اگر“ کا لفظ شیطان کے کام (کا دروازہ) کھولتا ہے۔“ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔^(۱)

ششم: دینِ اسلام اور اس کے ستونوں کو پختہ اور ٹھوس بنانے کے لیے

(۱) صحیح مسلم: کتاب القدر، باب فی الامر بالقوة، وترک العجز، والاستعاۃ باللہ، و تفویض المقادیر

للہ، حدیث نمبر: ۲۶۶۳۔

ایک ایسی مضبوط امت کی تشکیل کرنا جو اس کی خاطر ہر قسم کی قربانی پیش کرے اور اس کی راہ میں جو مصیبتیں بھی آئیں ان کی قطعاً پرواہ نہ کرے۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ ءَامَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّٰدِقُونَ ﴿١٥﴾﴾

”مومن تو وہ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر (پکا) ایمان لائیں پھر شک و شبہ نہ کریں اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہیں، (اپنے دعوائے ایمان میں) یہی سچے اور راست گو ہیں۔“ [سورہ حجرات: ۱۵]۔

ہفتم: انفرادی اور اجتماعی اصلاح کے ذریعے دنیا و آخرت کی سعادت، اجر و ثواب اور (اللہ تعالیٰ) سے انعام و اکرام حاصل کرنا، اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۖ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٤٧﴾﴾

”جو شخص نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت، لیکن با ایمان ہو تو ہم اسے یقیناً

نہایت بہتر زندگی عطا فرمائیں گے اور ان کے نیک اعمال کا بہتر بدلہ بھی انھیں ضرور ضرور دیں گے۔“ [سورہ نحل: ۹۷]۔

یہ اسلامی عقیدہ کے چند اہداف و مقاصد ہیں، ہم اللہ تعالیٰ کے حضور دعا گو ہیں کہ وہ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو ان مقاصد سے بہرہ ور فرمائے۔ وہ نہایت کرم و بخشش والا اور بہت ہی سخی ہے۔ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو سارے جہانوں کا رب ہے۔

درود و سلام نازل ہو ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر، آپ کی آل اور آپ کے تمام صحابہ پر۔

یہ کتاب مولف کے قلم سے پایہ تکمیل کو پہنچی

محمد بن صالح العثیمین

فہرست

- ۲ مقدمہ
- ۵ دینِ اسلام
- ۱۳ ارکانِ اسلام
- ۱۸ اسلامی عقیدے کی بنیاد
- ۱۹ اللہ تعالیٰ پر ایمان
- ۳۵ فرشتوں پر ایمان
- ۵۴ کتابوں پر ایمان
- ۵۶ رسولوں پر ایمان
- ۶۹ یومِ آخرت پر ایمان
- ۹۸ تقدیر پر ایمان
- ۱۱۷ اسلامی عقیدے کے اہداف و مقاصد



رئاسة الشؤون الدينية
بالمسجد الحرام والمسجد النبوي

رسائل الحرمين

حرمین کا پیغام

مسجد حرام اور مسجد نبوی کے زائرین کے لیے
مختلف زبانوں میں رہنمائی کرنے والی شرعی کتابیں



978-603-8452-84-4

